سوانح
غنی کاشمیری
یعنی
شاعر ماہر یکفنی محمد طاہر غنی کاشمیری
کی شاہانہ زندگی کے دلچسپ حالات
از
(مورخ اسلام) مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
مکتبہ علم و ادب

چو شد طبع حالات شاہ سخن — کہ بُد شاعر ماہر یکفنی
دل من ز فکر و تردّد نہ رُست — کہ بُد مصرعہ سال آں جستنی
ندا آمد از غیب دوگوشِ من — مقالات ملا طاہر غنی

سوانح

غنی کاشمیری

یعنی

شاعر ماہر یکفنی مولانا محمد طاہر غنی کاشمیری کی شاہانہ زندگی کے دلچسپ حالات

از

(مورخ اسلام) مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

ناشر
مکتبہ علم وادب
ریڈکراس روڈ، سرینگر کشمیر

نام کتاب : سوانح غنی کاشمیری

مصنف : مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

سن اشاعت : 2021

صفحات : 152

زیر اہتمام : قاری سہیل

ملنے کا پتہ

اشرف بک سینٹر

ریڈ کراس روڈ سرینگر، کشمیر

اے بی سی پبلشنگ ہاؤس

کسٹوڈین بلڈنگ، ریڈ کراس روڈ سرینگر

فہرست مضامین

عرض ناشر

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قدرت نے اپنی فیاضی سے خطۂ کشمیر کو دولتِ حسن سے اس قدر مالا مال کیا ہے۔ کہ وہ جائز طور پر ''گلزارِ دنیا'' اور ''باغ دلکشا'' کے ناموں سے پکارا جاتا اور سب سے بڑھ کر ''جنت ارضی'' اور ''فردوس بریں'' کے خطابات سے مخاطب ہوتا ہے۔ ایسی سرزمین فنون لطیفہ اور بالخصوص شاعری کے لئے کیوں موزوں نہ ہوگی؟ اناج کے سرسبز و شاداب کھیت، پھلوں سے لدے ہوئے درخت، چاولوں کی خوشبودار فصلیں، مختلف قسم کے خوش رنگ و خوش آواز پرند، سویٹزرلینڈ (Switzerland) اور ناروے (Norway) کے سے گھنے جنگل، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے قدرتی چشمے اور پہاڑی ندی نالے ایسی چیزیں نہیں جو شاعر کے جذبات میں تلاطم برپا نہ کرسکیں۔

مسز جی سی بروس (G.C.Bruce) لکھتی ہے کہ ''کشمیر کی ہوا میں سانس لینا گویا شعرستان میں رہنا ہے''۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ کشمیر حسین کارِ قدرت کی بہترین غزل کا ایک شاداب ترین شعر ہے۔ یہ

خواب کی دنیا ہے جہاں تخیل کی سرحدیں بے پناہ ہو جاتی ہیں۔ یہ دن کے وقت خیال بندیٔ طلسم ہے اور رات کے وقت سحر کاریٔ خیال۔ اس کی فضا یکسر معمور حسن ہے اور تمام تر لبریز محبت۔ اس لئے جو شخص حسین ماحول سے متاثر ہو سکتا ہے، لطیف ہوا سے محبت کی آواز سننے کی اہلیت رکھتا ہے، معرفت کردگار کے دفتر بے پایاں کو الٹ پلٹ کر دیکھ سکتا، بصیرت کی آنکھ سے گل پوش وادیوں کی رنگ آمیزی، مناظر جمیل کی شادابی و دلفریبی، شگفتہ کلیوں کی نزہت افزائی اور پھولوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی شاخوں کی نکہت بیزیوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے، وہ یہاں رہ کر اچھے سے اچھے شعر کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ فطرت کے ان گنت روپ، انسان اور سماج کے بے شمار سوانگ ایسے ہیں کہ ان سب کی تصویر کھینچ سکتی اور ان کو تخیلی پیکر دیا جا سکتا ہے۔

یوں تو کشمیر میں قدرت نے ہر چیز کو شاعری کا جامہ پہنا رکھا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ کشمیر ایک زبردست علمی اور ادبی مرکز ہونے میں کسی سے پیچھے رہا ہو۔ مگر افسوس کہ کشمیری شاعری کی آج تک خاطر خواہ قدر نہیں کی گئی۔ اور بہت کم آدمی ایسے ملتے ہیں جنہیں اس بات کا علم ہے کہ کشمیر نے اس صنف کی جی کھول کر خدمت کی ہے۔ کشمیر کی صنعت و حرفت نے ملک و بیرون ملک کے طول و عرض میں کافی شہرت حاصل کی مگر اس کی تہہ میں زیادہ تر وہاں کے تاجروں اور غیر ملکی سیاحوں کی ہمت اور

قدردانی کارفرما نظر آتی ہے۔شاعری چونکہ ان مخطوطات (Manuscripts) میں پوشیدہ تھی جنہیں آج تک روشنی کا منہ دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا۔اس لئے وہ پردۂ اخفا ہی میں رہی۔اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کشمیر نے شاعری اور بالخصوص فارسی شاعری کی خاطر کیا کچھ کیا اور فارسی زبان کی ترویج وترقی میں کشمیریوں کا کتنا حصہ ہے؟

آج ایران اپنے فردوسیؔ، حافظؔ، رومیؔ اور نظامیؔ پر بہت ناز کررہا ہے۔مگر کشمیر بھی شائقؔ، غنیؔ، کاملؔ، صرفیؔ وغیرہ پر فخر کرنے میں اس سے کچھ کم حق بجانب نہیں۔عبدالوہاب شائقؔ نے شاہنامے کی طرز پر کشمیر کی ایک منظوم تاریخ تصنیف کی جو ساٹھ ہزار (60,000) اشعار پر مشتمل ہے۔ غنی کاشمیری کا دیوان کشمیر کی حدود سے نکل کر ہندوستان اور ایران تک پہنچا اور استادانِ فن سے اپنے کمالات کا اعتراف کراتا رہا اور باوجود اس کے کہ فارسی شاعری میں صدہا انقلابات آئے، غنی کی زبان کو انقلاب کی ہوا سے کوئی گزند نہ پہنچا اور آج سالہا سال گذر جانے کے بعد بھی اس کے کلام پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔مرزا اکمل الدین بیگ کاملؔ کی مثنوی بحر العرفان صوفیانہ خیالات کے لحاظ سے عدیم النظیر چیز خیال کی جاتی ہے۔ملا یعقوب صرفی، ملا بہاؤ الدین متو اور ملا حمید اللہ کاشمیری شاہ آبادی کے خمسے ابھی تک طباعت کے زیور سے آرستہ نہیں ہوئے جبکہ وہ بھی لاجواب سرمایہ ہے۔

غرض مقامی و غیر مقامی شعراء نے اس خطۂ دلپذیر کو اپنے فن و کمال سے وہ شہرت بخشی کہ تا قیامت وہ یادگار رہے گی۔ ان شعراء کیلئے اس خطہ میں ایک مخصوص مقام، ان کی آرام گاہ کے طور پر جہاں وہ آسودۂ خواب ہیں، مزار الشعراء کہلاتا ہے جو ڈل جھیل کے کنارے موجودہ درگجن علاقے میں ایک ٹیلہ پر واقع ہے۔ یہ مزار خستہ اور تقریباً نابودی کے منظر کو پیش کرتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ دنیا ان شعراء کی عظمت و فضیلت کو تسلیم کرتی اور شاہانِ وقت ان پر انعام و اکرام کا مینہ برسا کر اپنی معارف پروری اور جوہر شناسی کا ثبوت دیتے تھے۔ مگر افسوس کہ وہ زمانہ خواب و خیال ہوگیا۔ آج ان کی علمی یادگاروں کو پوچھنے والا کوئی نہیں ملتا۔ ان کے گراں مایہ ادبی شاہکار لوگوں کی بے توجہی اور حکومتی سرد مہری کا شکار ہو کر کیڑے مکوڑوں کی غذا بن رہے ہیں اور وہ دن دُور نہیں جب یہ گوہرانِ شب چراغ ہمیشہ کے لئے ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے اور کوئی ان کا سراغ تک نہ لگا سکے گا۔ کاش! کشمیر کے علم دوست حضرات اب بھی اپنے جواہرات کی قدر کریں۔ اپنے بزرگوں کی نادر و نایاب کتابوں کو جہاں بھی ہوں گوشہ گمنامی سے نکال کر ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کریں اور انھیں تباہ و برباد ہونے سے بچا کر خود بھی فائدہ اٹھائیں اور آئندہ نسلوں کو بھی استفادہ کا

موقع دیں۔

بیکار پڑا ہے ترا سامانِ تجلّی
اے وادی ایمن کوئی موسیٰ نہیں اٹھتا

یہ مختصر کتابچہ اسی کڑی کے ایک جز کے طور پر حاضر خدمت ہے۔ یہ کتابچہ منشی محمد الدین فوقؔ مورخ کشمیر کے اصرار و تحریک پر مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے کشمیر کے معروف فارسی شاعر غنی کاشمیری کے احوال و سوانح پر بعنوان "سوانح مولانا غنی" ترتیب دیا تھا۔ جسے فوق نے اپریل ۱۹۱۹ء میں جارج اسٹیم پریس لاہور سے طبع کرا کر شائع کیا تھا۔ اور آج سو سال کا عرصہ گذر جانے پر اسے دوبارہ شائع کرنے کا اعزاز ہمارے ادارے "**مکتبہ علم و ادب**، سرینگر کشمیر" کو حاصل ہو رہا ہے۔ یہ نایاب کتابچہ ہمیں ہمارے عزیز جناب مختار احمد خان صاحب نے فراہم کیا اور ساتھ میں "آج کل، دہلی" کے "کشمیر نمبر" (اگست ۱۹۵۵ء) میں شائع شدہ وادی کے نامور قلمکار جناب میر غلام رسول نازکی صاحب مرحوم کا چھپا ہوا مضمون "غنی کاشمیریؔ" بھی مہیا کر کے اسے طباعت کی غرض سے عنایت کیا جو شامل کتاب کیا گیا ہے۔ ہم ان کے مشکور ہے۔

اس کتابچہ کو از سر کمپوزنگ کے مرحلے سے گذارنے کے دوران ہمیں محسوس ہوا کہ آج کے دور میں فارسی جاننے والے حضرات کم یاب ہیں

اور کتاب میں غنی کاشمیری اور دیگر شعراء حضرات کے اشعار کو سمجھنے والے افراد بہت ہی قلیل ہیں۔ دورِ حاضر کے قارئین کے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے کشمیر کے ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھنے والے اپنے ایک عزیز جناب ایڈوکیٹ مجتبیٰ گندرو صاحب سے گذارش کی کہ کتاب کی تصحیح و پروف ریڈنگ کرنے اور اس میں شامل فارسی اشعار کو اُردو کے قالب میں ڈھالنے کا کام کریں تاکہ عام قارئین کو کتاب پڑھنے میں آسانی ہو۔ اور وہ غنی کاشمیری کی شاعری کو سمجھنے میں کسی حد تک کامیاب ہو۔ ہماری اس گذارش کو گندرو صاحب نے قبولیت کے شرف سے نوازا اور یہ کام احسن طریقے پر انجام دے کر ایک بہت بڑی علمی خدمت سرانجام دی ہے۔ ہم آپ جناب کے ممنوں احسان رہے گے۔

امید واثق ہے کہ ہماری اس کوشش کو عام قارئین سراہا کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائینگے تاکہ ہم اس طرح کی مزید کاوشیں سرانجام دے سکیں۔

والسلام

قاری محمد اشراف

مالک مکتبہ علم وادب، کشمیر

غنی کشمیری

علامہ اقبالؒ

غنی آن سخن گوی بلبل صفیر
نوا سنج کشمیر مینو نظیر
چو اندر سرا بود در بستہ داشت
چو رفت از سرا تختہ را واگزاشت
یکے گفتش اے شاعر دل رسے
عجب دارد از کار تو ہر کسے
بہ پاسخ چہ خوش گفت مرد فقیر
فقیر و بہ اقلیم معنی امیر
زمن آنچہ دیدند یاراں رواست
دریں خانہ جز من متاعے کجا است

غنی تا نشیند بہ کاشانہ اش
متاع گرائے است در خانہ اش
چو آں محفل افروز در خانہ نیست
تہی تر ازیں ہیچ کاشانہ نیست

غنی کاشمیری ☆

میر غلام رسول نازکی

کشمیر کی یہ ایک خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اس کا زاویہ فکر و نظر زندگی کے ہر شعبے میں بہت وسیع رہا ہے۔ اور اس نے کبھی تنگ دامانی اور تنگ نظری سے کام نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں جو بھی نئی چیز آئی ہے۔ اگر اس میں خوبیاں تھیں تو کشمیر نے نہ صرف اس کو اپنایا۔ بلکہ اس کو ترقی دی اور بام عروج پر پہنچایا۔ چنانچہ جب ہم کشمیر کی تاریخ کے مختلف ادوار پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ کشمیر نے جس نئی تہذیب کو دیکھا اس کو اتنا کمال عطا کیا کہ خود وہ لوگ حیران ہو گئے۔ جو اس تہذیب کو لے کر کشمیر آئے تھے۔ کشمیر میں جب اسلام آیا تو اس میں جو خوبیاں تھیں وہ کشمیر نے فوراً قبول کیں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں میں علم و فضل

(☆) ماخوذ از آج کل دہلی (کشمیر نمبر) اگست ۱۹۵۵ء

، جوش حریت، خوداری اور تہذیب و تمدن کو ترقی دینے کا زبردست جذبہ موجود تھا۔ چنانچہ انھیں چیزوں نے کشمیر کو متاثر کیا اور یہاں کی اکثریت مسلمان ہوگئی۔ اوراس کے ساتھ ہی ان تمام خصائص کو کشمیر نے اپنا لیا جو اس دور کے مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھے۔ اس دور کے کشمیر پر نظر ڈالنے سے صاف واضح ہوگا کہ کشمیر میں علم و فضل، ہنر اور صنعت، فلسفہ اور تہذیب و تمدن کے اعلیٰ نمونے کشمیر نے پیدا کئے۔ مسلمانوں کے کشمیر آتے ہی یہاں فارسی اور عربی زبانوں کا پرچار ہوا۔ عربی مسلمانوں کی مذہبی زبان تھی اور فارسی سرکاری زبان۔ اس کے علاوہ کشمیر کا فارسی زبان کے ساتھ جو گہرا رابطہ ہے وہ یہ ہے کہ کشمیر میں سب سے پہلے اسلام کی مشعل کو فروزاں کرنے والے جناب امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ایران کے ایک شہر ہمدان کے رہنے والے تھے۔ آپ کی مادری زبان فارسی ہی تھی بلکہ وہ اس زبان کے بہت بڑے بلند پایہ عالم، شاعر اور محقق بھی تھے۔ چنانچہ کشمیر میں حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اس وقت بھی نہ صرف بڑے ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے بلکہ تبرکاً اس کا وِرد بھی کیا کیا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے کشمیر کو ایک ایسی تہذیب دی جس کے لئے کشمیران کا ممنون رہے گا۔ یہ تہذیب ایران و عرب کی تہذیب کا ایک دلفریب امتزاج تھی۔ کشمیر آ کر اس میں مقامی رنگ بھی چمکا اور یہ شراب

دو آتشہ ہو کر دنیا والوں کے فکر و نظر کی حرارت کا باعث بن گئی۔

فارسی کشمیر آئی تو زندہ رہی۔ نہ صرف زندہ رہی بلکہ کشمیر کے شاداب اور زرخیز دماغوں نے اس کو وہ وسعت اور ترقی دی کہ خود ایران بھی حیران ہوا کہ کیا ہوا اور کیسے ہوا۔ اس زبان میں کشمیر نے وہ عظیم المرتب ادیب، مورخ، شعراء اور نثر نگار پیدا کئے۔ کہ خود ایران کے چوٹی کے قلم کاروں کو بھی ان کی عظمت کا لوہا ماننا پڑا۔ تعجب یہ ہے کہ فارسی کشمیر میں مسلمانوں کے ساتھ آئی مگر کشمیر کے ہندوؤں نے اسے اس طرح اپنایا کہ خود مسلمان بھی اس کا مقابلہ بہت کم کر سکے۔ ویری اور بھوانی داس کاچرو وہ زندہ مثالیں ہیں جن کو ہماری تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ شعراء میں سے جو شخص خاص طور پر علم و ادب کے مطلع پر آفتاب عالم تاب بن کر چمک رہا ہے۔ اور جس کی ضیا پاش کرنوں سے فارسی ادب کا سارا ماحول تابناک ہے۔ وہ کشمیر کا مفلوک الحال، گمنام اور جوانمرگ ملازادہ ہے جس کا نام محمد طاہر اور تخلص غنی ہے۔ جس نے فارسی ادب کے دامن میں وہ انمول ہیرے جڑے ہیں جس کی قیمت دنیائے ادب کے کسی خزانے میں نہیں مل سکتی۔ جیسا کہ میں ابھی اشارۂ عرض کر چکا ہوں۔ غنی نے گمنامی میں زندگی بسر کی اور باوجود تحقیق و تفتیش آج تک اس کی زندگی کے حالات منظر عام پر نہ آسکے۔ لے دے کے اس کا سال وفات معلوم ہے اور آج جب قوم آزاد ہے اور ملک اپنے

جواہر پاروں کو نئی جلا دے کرتا بناک بنانا چاہتا ہے وہ اس کا یوم وفات تک نہیں منا سکتی کیونکہ ان کے انتقال کی تاریخ کہیں محفوظ نہیں۔ اصل میں غنی کی گمنامی کی ذمہ داری اس کی طبع بے نیاز ہے جو نام ونمود سے خائف اور ریا سے بہت ڈرتی تھی۔ اس نے کسی بادشاہ کی مدح سرائی میں اپنا جوہر لطیف برباد نہیں کیا۔ اُس زمانے میں جب بادشاہوں کے درباروں تک پہنچنا ہی سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جاتا تھا اس نے اپنی جبین نیاز کسی کے آستانۂ ناز پر گھسنے کی مذموم کوشش نہ کی۔ بلکہ جب اس کی پیش کش کی گئی تو اُسے انتہا درجے کے استغنا اور بے نیازی کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اوز دونوں جہانوں کے بادشاہ کے آستانے کو چھوڑ کر مطلق العنان بادشاہوں کی چوکھٹ پر جھکنے سے صاف انکار کر دیا۔ غنی کے مزاج کا یہی رنگ ان کے کلام میں ہر وقت جھلکتا نظر آتا ہے ۔

گدا چوں یافت روزی خویش را داند سلیمانے
برائے مور سنگِ آسیا تخت رواں باشد

یا

کاسۂ خود پُر مکن زنہار از خوانِ کسے
داغ از احسانِ خورشید است بر دل ماہ را

یعنی اپنے کاسۂ گدائی کو اوروں کے لقموں سے نہ بھرو۔ اس سے تم

ان کے ممنونِ احسان ہو جاؤ گے۔ چاند کے پاس اپنا نور نہیں وہ سورج سے اکتساب نور کرتا ہے اور دنیا دیکھتی ہے کہ اس احسان مندی سے اس کے دل پر ایک داغ ہے جو رہتی دنیا تک نہیں مٹے گا۔

اور اسی استغناء بے نیازی کے اعتبار سے ملا محمد طاہر نے اپنے لئے غنی تخلص پسند کیا۔ اور اسی وجہ سے ان کے حالات خود ان کے ہم عصروں پر بھی ظاہر نہ ہو سکے۔ غنی کے کلام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ جن موضوعوں پر سخن کرتا ہے وہ اس دنیا کے ساتھ اور ہماری روزمرہ زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ وہ سوئی اور دھاگے سے سینکڑوں دُر ہائے معانی پیدا کر سکتا ہے۔ وہ پن چکی وفوار اور پانی، قلم اور روشنائی ہلال اور بدر ناخن اور بند ناخن، کان اور آنکھ کے باہمی تعلق سے ایسے ایسے لطیف معانی تخلیق کرتا ہے کہ انسان کے فکر کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور باتوں باتوں ہی میں وہ ایسی پتے کی باتیں کہہ جاتا ہے کہ مذاق سلیم داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک اور زاویے سے جب ہم غنی کے کلام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے بادشاہوں کی مدح سرائی کے عوض عوام کی محرومیوں اور مایوسیوں کو محسوس کیا اور اس کے خلاف ایک خاموش احتجاج بھی کیا۔ زمانے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس کا کھلے الفاظ ہی میں اعلان کر دے۔ اس لئے اس نے سِرّ دلبراں کو حدیثِ دیگراں میں بیان کر دیا۔

کدام باز ندانم در آشیاں بندی است

کہ ہست حکمِ پرِ کاہ بالِ مرغاں را

یعنی معلوم نہیں کونسا شاہباز گھونسلا بنانے کی فکر میں ہے کہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کے پرنوچے جارہے ہیں۔اوران کوشہباز کے گھونسلے میں تنکوں کی بجائے لیاجاتا ہے۔

ایک اور شعر سنیئے۔ایک محکوم و مجبور اور لٹے ہوئے کسان کی حالت پراس کو منطبق کیجئے تو دیکھئے کہ یہ کتنی واضح اور دردناک تفسیر ہے اس کی محرومی اور مایوسی کی۔

روزئ مامی شود آخر نصیب دیگراں

طالع برگشتہ ہمچوں آسیاں داریم!

یعنی ہمارا رزق اوروں کی نذر ہوجاتا ہے اوراس رنگ میں میری اور چکی کی قسمت ایک جیسی ہے۔وہ بھی آٹا پیستی ہے تو اوروں کی خاطر، میں بھی کام کرتا ہوں تو اوروں کے لئے۔

غنی کے ہاں اس قسم کے اشعار کی کوئی کمی نہیں اور حقیقت میں لوگ جانتے ہیں کہ یہ استحصال اور جبر کے خلاف ایک دل دوز چیخ ہے۔اوراس اعتبار سے غنی موجودہ دور کے ترقی پسند احساسات کے مرجع اول ہیں۔

غنی کے کلام کے تمام محاسن پر ایک سرسری نظر ڈالنا اوراس سے

نمونے کے طور پر تھوڑا سا کلام بھی لے لینا اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں البتہ اتنا کہے بغیر رہا نہیں جاسکتا کہ غنی پر کچھ لکھنے والے کے لئے ایک مشکل یہ ہے کہ غنی کے کلام سے کونسا حصہ انتخاب کیا جائے کیوں کہ غنی کا سارا کلام انتخاب ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس دولت سے سوائے اس کے کوئی فائدہ نہ ہوا کہ آج ہم اس پر رشک کرر ہے ہیں۔ مگر اس کا کلام اسے دو وقت کی روٹی بھی فراغت اور اطمینان، عزت اور خودداری کے ساتھ میسر نہ کرا سکا۔

فیض سخن بہ مرد سخن گو نمی رسد
از نافہ بوئے مشک بہ آہو نمی رسد

تتمہ:

نئی دہلی کے ایرانی سفارت خانے سے ایک رسالہ انگریزی میں ''ایران امروز'' کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ یکم اپریل ۱۹۵۵ء کے شمارے میں غنی کاشمیری کے حالات اور کلام درج ہیں۔ انھیں ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

نامش ملا طاہر از قبیلۂ اشائے ہا و شاگرد ملا محسن فانی بود۔ اربابِ سخن معتقدند کہ در سراسر کشمیر و ہند کسی بخوبی او شعر نگفتہ است۔ دیوان اشعارش را میرزمحمد علی صائب تبریزی کہ خود نیز از بزرگان شعرای قرن یازدہم ہجری است جمع آوری نمودہ است۔ اشعار وے زائد از صد ہزار بیست است۔ غنی

ہمیشہ از شہرت طلبی گریزاں بوادوایں مطالب را در اشعار خود ذکر نمودہ است۔

اگر شہرت ہوس داری اسیرِ دامِ عزلت شو

کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقا را

سال وفات غنی ۱۰۷۹ ہجری است و یکی از معاصرین وی تاریخ

وفات وارا چنیں نوشتہ است

از فوت غنی گشت کہ دمہ غمگیں

ہر کس شدہ در مارم او خاک نشیں

تاریخِ وفاتش از پر سند بگو

پنہاں شدہ گنج ہنری زیرِ زمیں

غنی در کلام مصنوع استاد است یعنی شاعر در مصرعہ اول دعوائے را

پیش میآوردو در مصرع دوم در تائید دعوائے خود دلیل ذکر می کند

غزل

جاں را بکوئے دوست رواں میکنیم را

یعنی کہ کارِ عشق بجاں میکنم ما

مطرب گر آرزوئے تو فریاد ما بود

مانندنی بدیدہ فغاں میکنیم ما

نتواں چو زاہد از رہ خشکی بکعبہ رفت

کشتی بہ بحر بادہ رواں میکنیم ما

مارا چو شمع مرگ بود خامشی غنی

اظہار زندگی بہ زبان میکنیم ما

ایرانی شعراء میں صائب کا درجہ بہت ممتاز ہے بالخصوص تمثیلہ شاعری میں۔ لیکن روایت یہی ہے کہ صائب خود اس ضمن میں غنی کا معتقد تھا۔ یہ دو ہم عصر جب ملے اور غنی نے اپنا کلام سُنایا تو ذیل کے شعر پر صائب نے بیخود ہو کر کہا تھا کہ اس شعر کے عوض اپنا پورا دیوان دینے کے لئے تیار ہوں ؂

حسن سبزے بہ خط سبز مرا کرد اسیر

دام ہم رنگِ زمین بود گرفتار شدم

صائب نے غنی کے کلام کو تضمین بھی کیا ہے "مثلاً

ایں جواب آں غزل صائب کہ می گوید غنی

یادِ ایّامے کہ دیگِ شوقِ ما سر پوش داشت

روایت ہے کہ صائب کا ایک مصرع ۔۔۔ یہ از لباس تو بوئے کباب می آید، بیاض میں درج تھا۔ کسی نے غنی سے پہلا مصرع لگانے کو کہا تو غنی نے فوراً شعر کی تکمیل کر دی ؂

کدام سوختہ جاں دست ز دہد امانت

کہ از لباسِ تو بوئے کباب می آید

صائب نے پہلا مصرع سُنا تو پھڑک گیا اور کہنے لگا کہ پورے دیوان کے مصرع ہائے ثانی خود لکھتا اور ہر شعر کا پہلا مصرع غنی سے کہلواتا تو لطف آجاتا۔ تمثیلیہ شاعری میں غنی کے مرتبے کو بعد کے شعراء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ گرامی مرحوم ایک شاعر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

چناں تمثیل را دادہ رواجے
کہ از فکر غنی گیرد خراجے

اب غنی کے کلام کا نمونہ دیکھئے ؎

عشق بریک فرش نبشاند گدا و شاہ را
سیل یکساں مے کند پست و بلندِ راہ را

بر تواضع ہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست
پائے بوسِ سیل از پا افگند دیوار را

بود در اضطراب از اہلِ عالم ہر کہ کامل شد
طپیدن درمیانِ جملہ اعضاء قسمتِ دل شد

غنی از دولتِ دنیا نگرد و عیب کس زائل
کہ اُو نتواند از روئے محک بُردن سیاہی را

نیست شہرت طلب آں کس کہ کمالے دارد
ہرگز انگشت نما . بدر نباشد چو ہلال

فیضِ سخن بہ مرد سخن گو نمی رسد
از نافہ بوئے مشک بہ آہو نمی رسد
در مکرر بستنِ مضمون رنگین لطف نیست
کم دہد رنگ ارکسی بندد حنائے بستہ را
سنگین دلست ہر کہ بہ ظاہر ملائم است
پنہاں درونِ پنبہ نگر نبہ دانہ را
جاں بہ لب از ضعف نتواند رسید
من بزورِ ناتوانی زندہ ام
سعی بہرِ راحتِ ہمسائگاں کردن خوش است
بشنود گوش از برائے خوابِ چشم افسانہا
نمی باشد مخالف قول و فعل راستاں باہم
کہ گفتارِ قلم باشد ز رفتارِ قلم پیدا

غنی جاہ و دولت سے بیگانہ فقر و فاقہ میں مست رہتا۔ گھر کے اندر ہوتا تو باہر سے تالا لگا دیتا۔ گھر سے نکلتا تو دروازہ کھلا چھوڑ دیتا۔ لوگوں نے پوچھا تو اس نے کہا کہ مکان میں خود غنی ہی ایک متاعِ عزیز ہے۔ وہ نہیں تو دروازے کو تالا کیوں لگایا جائے۔ اقبال نے اسے فارسی میں نظم کیا ہے ؎

غنی آں سخن گوئے بلبل صفیر

نوا سنجِ کشمیر بینو نظیر

چو اندر سرا بود در بستہ داشت

چو رفت از سرا تختہ را واگزاشت

یکے گفتش اے شاعرِ دل رسے

عجب دارد از کار تو ہر کسے

بپاسخ چہ خوش گفت مردِ فقیر

فقیر و بہ اقلیم معنی امیر

زمن آنچہ دیدار یاراں روا ست

دریں خانہ جُز من متاعی کجا ست

غنی تا نشیند بہ کاشانہ اش

متاعی گرانے است در خانہ اش

چوں آں محفل افروز در خانہ نیست

تہی تو ازیں ہیچ کاشانہ نیست

آخر میں غنی کا وہ مشہور شعر ملاحظہ فرمایئے جو اقبال مرحوم کو بہت پسند تھا۔

غنی روزِ سیاہِ پیر کنعاں را تماشا کن

کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و اٰلہ و اصحابہ اجمعین.

موجبِ نگارش

اُردو زبان کی روز افزوں ترقی اور ہمہ گیری نے ہندوستان کے ہر صوبہ اور ہر شہر کی شفقت آمیز توجہ کو اپنا خادم بنا کر مسلمانوں، ہندوؤں، عیسائیوں اور پنجابیوں، بنگالیوں، دکنیوں کے شوق والتفات کو اپنی شیرینی و دلفریبی کے ذریعہ خرید لیا ہے۔ ہر روز نئے نئے اسلوبِ بیان ایجاد ہوتے اور جدید ولطیف محاورات زبانوں سے نکل کر کانوں کے راستے دلوں میں اُترتے اور دماغوں میں گھر بناتے جاتے ہیں۔ کہیں مجالس سخن کے ذریعہ اُردو کی خدمت گزاری کا کام انجام دیا جارہا ہے۔ کہیں لشکر اُردو کی عظمت و شوکت میں ادبی رسالے اضافہ کررہے اور کہیں مصنفین کتب کی شمشیر قلم شراب ودآتشہ کی طرح کھچی اور ساغرے کی طرح چلتی ہوئی گکوے کج مج بیانی کو قلم کررہی ہے۔ اس جوش رنگ و بو اور خروش ہائے وہو میں یہ ہوش

ودماغ اور اس قدر فرصت وفراغ کس کو میسر ہے کہ اس راز کا جویا اور اس
حقیقت کا متلاشی ہو کہ اُردو زبان کی خوبی، دل ربائی اور اُردو کی قادر الکلامی
وترجمانی جذبات کی قوت کا منبع کیا ہے اور اس چشمہ کا سرچشمہ کہاں ہے۔
اُردو زبان اس میں شک نہیں کہ برج بھاشا، فارسی، عربی اور بعض دوسری
زبانوں کی بھی رہین منّت ہے۔ان سب زبانوں کی اُردو کی تعمیر وترکیب
میں کتنا کتنا دخل اور کیا کیا مرتبہ حاصل ہے۔اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔
مگر فارسی کو اُردو کے ساتھ سب سے زیادہ قوی تعلق ہے اور فارسی کے بغیر نہ
اُردو کے وجود کا تصور کیا جاسکتا ہے اور نہ اُردو کو ترجمانی مافی الضمیر کا آلہ بنایا
جاسکتا ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں یہ حقیقت زیر توجہ لانی چاہئے کہ
سینکڑوں برس کی مدت اور ہندوستان جیسے آباد ووسیع ملک میں ایک بھی اُردو
کا قادر الکلام شاعر، ایک بھی اُردو کا خوش تقریر خطیب اور ایک بھی زبردست
ومسلم الثبوت اُردو لکھنے والا مصنف ایسا نہیں پیدا ہوا جو فارسی زبان سے
واقف نہ ہو۔میرؔ، سوداؔ، انشاؔ، مصحفیؔ، غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، ناسخؔ، آتشؔ، انیسؔ
وغیرہ اساتذہ میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو فارسی سے ناآشنا ہو۔اور کہاں کہا
جاسکتا ہے کہ فارسی استعارات، فارسی تشبیہات، فارسی اضافتوں اور فارسی
ترکیبوں کے بغیر بھی یہ لوگ اُردو بزم ادب کے صدر نشین بن سکتے
تھے۔حالانکہ ان میں سے بعض عربی سے ناواقف اور قریباً سب برج بھاشا یا

ہندی سے نا آشنا تھے۔ سرسید، شبلی، حالی، آزاد وغیرہ اس قریبی آخری زمانہ میں ہرگز اپنی شیریں کلامی سے درجہ اُستادی حاصل نہ کر سکتے۔ اگر فارسی سے نا آشنا ہوتے۔ موجودہ زمانہ کے چند آتش بیان اور فصیح اللسان حضرات کی گرمی کلام اور رنگینی بیان کی روح رواں بھی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ سب فارسی میں کافی دستگاہ رکھتے اور فارسی زبان کی دل ربائیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ مگر حسرت وافسوس کے ساتھ اس بیان کو زبان تک لانا پڑتا ہے کہ اُردو کے مقام کو رفیع اور اُردو کی حیثیت کو دقیع کرنے والے تمام واجب التکریم لوگوں نے اپنے خاندانی مراسم اور اپنے بزرگوں کے ایشیائی خیالات کی بدولت فارسی زبان سیکھی جس نے بلا ارادہ اور غیر مترقبہ طور پر اُردو زبان کی مشاطگی و آراستگی کی خدمت انجام دینے کا قابل قدر نتیجہ پیدا کیا۔ اب جبکہ یورپ ایشیا کو ہر طرح مغلوب کر چکا ہے۔ یورپی خیالات ایشیائی خیالات پر، یورپی زبانیں ایشیائی زبانوں پر اور مغربی علوم مشرقی علوم پر غالب و مستولی ہوتے جاتے ہیں۔ فارسی زبان سیکھنے اور فارسی علم ادب کی طرف التفات کرنے کا شوق بھی سرد ہوتا جا رہا ہے ؎

کفر در کعبہ و اسلام بہ یورپ گویند
این سخنہا ست کہ از کرگس و بط می شنوم

ایک وہ زمانہ تھا کہ جب پنجاب میں مشرقی علوم اور مشرقی زبانوں

کی یونیورسٹی قائم ہونے لگی تو سرسید نے پنجاب والوں کی مادی ضرورتوں کو
مدنظر رکھ کر اس کی مخالفت کی اور الہ آباد یونیورسٹی کی مانند یونیورسٹی کو ترجیح
دی۔ سرسید کی یہ بات اُس وقت گورنمنٹ کے عزم کو تبدیل نہ کرسکی لیکن
زمانہ کی ہوا نے بتایا کہ سرسید کے اصرار کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ اُسی اورینٹل
یونیورسٹی کا اصل تنہ تو ٹھٹھرایا ہوا بلانشو ونما اور بے برگ و بار نا قابل التفات
اور نا قابل تذکرہ رہ گیا۔ لیکن اُس کی ایک معمولی سی شاخ یعنی انگریزی
زبان نے وہ ترقی کی کہ شاخ ہی اصل درخت سمجھی جانے لگی جس کے سایہ
میں بہت کالج، بہت سے مدرسے تمام پنجاب کی حدود میں پھیلے ہوئے نظر
آتے ہیں۔ فارسی زبان کے مکاتب اب سے پچاس سال پہلے تک ملک
کے ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں موجود پائے جاتے تھے۔ کریما، مامقیماں اور
دستور الصبیاں سے لیکر سکندر نامہ، ابوالفضل، مینا بازار، پنجر قصہ، قصاید بدر
چاچ وغیرہ تک پڑھنے والے ہزاروں لاکھوں طالب علم نظر آتے تھے۔ آج
اُن مکتبوں اور اُن فارسی زبان کے اُستادوں کا کہیں نام ونشان بھی نظر نہیں آتا
اور ان کتابوں کے نام سے بھی لوگ واقف نہیں۔ یہ چند نفوس جن کو صاحبِ
طرز اور گلشن اُردو کے نخلبند ہونے کا طُرّۂ امتیاز عطا کیا جا رہا ہے۔ انہیں
فارسی زبان کے مکتبوں کی ٹوٹی ہوئی چٹائیوں پر بیٹھنے والوں اور اُن میں فارسی
معلموں کے آگے زانوئے ادب تہہ کرنے والوں کی یادگار ہیں۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

گو ہندوستان میں فارسی کی سرد بازاری دُور ہونے کے بعض نئے قدرتی سامان بھی پیدا ہو رہے ہیں یعنی جنوبی ایران میں انگریزی حکومت کے اثر اور فتح عراق نے ایران کو ہندوستان سے بہت قریب کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ، تصوف، طب اور علم اخلاق کا ایک بڑا حصہ فارسی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں موجود نہیں۔ اِدھر اُردو کی روز افزوں بلند اقبالی بھی فارسی کی طرف توجہ دلا رہی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ ہندوستان میں بہت زیادہ تلاش کرنے سے بہت ہی تھوڑے لوگ ایسے مل سکتے ہیں جو فارسی شعرائے کلام سے لطف اُٹھا سکتے یا اُن کے حالات و مقالات سے لُطف اُٹھانے کا شوق رکھتے ہوں۔ حتیٰ کہ فردوسیؔ، سعدیؔ، حافظؔ، عمر خیامؔ وغیرہ شعراء اور ان کے کلام سے جس قدر یورپ واقف ہے ہندوستان اُس قدر واقف نہیں۔ یورپ میں فارسی شعراء کے کلام کی طرف جس قدر اعتنا موجود ہیں ہندوستان میں اُس کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ ایسی حالت میں مجھ مرہون افکار و مصروف مشاغل اور سرمایۂ قابلیت و پیرایۂ واقفیت سے عاری شخص کا کسی فارسی زبان کے شاعر کی نسبت کچھ لکھنا ایک تعجب انگیز اور حیرت افزا بات سمجھی جائے گی۔ اس حیرت کو دُور کرنے کیلئے مجھ کو یہ بتانا ضروری ہوا

کہ میرے محترم دوست اور تاریخی مطالعہ کا بے حد شوق رکھنے کی وجہ سے میرے ہم ذوق مولوی محمد الدین صاحب فوق جو اپنی کثیر التعداد نافع ملک و ملت تصانیف اور قومی و وطنی خدمت میں خموشی کے ساتھ مصروفیت وانہماک رکھنے کی وجہ سے پنجاب و کشمیر کے لئے مایۂ ناز اور اپنی خوش اخلاقی و وضعدادی کے سبب محبوب احبا ہیں۔ اس عاجز کو اس امر کے لئے مجبور کرنے میں کامیاب ہوئے کہ غنی کشمیری کی نسبت ایک مضمون لکھ کر اُن کی خدمت میں پیش کروں۔ چونکہ امتثال امر کے سوا چارہ نہ تھا لہٰذا اپنے عزیز بھائی مولانا تاجور ایڈیٹر مخزن کی ناراضی و خفگی کے مرتبہ کو اُن کی عفو و درگزر کے بلند مقام سے پست تر یقین کرتا ہوا (کہ یہ مضمون مخزن میں پورا ہونا چاہئے تھا) اپنے اُس مضمون کو جو فروری ۱۹۱۹ء کے مخزن میں چھپا تھا۔ اس مضمون کا ایک جزو بنا کر حضرت فوق کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

چمن آید بچمن بہر تماشائے بہار
بلبل آید بر بلبل بہ تمنائے غزل

والسلام

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

نزیل لاہور۔ ۲۷/ مارچ ۱۹۱۹ء

مقالات تمہید

(۱)

آج اپنے دوستوں کو غنیؔ اور غنیؔ کے کلام سے روشناس کرانے کی کوشش کرتا ہوا سخت اندوہگین اور خون بجگر ہوں کہ مجھ غریب الوطن کا حلقۂ شناسائی لاہور شہر میں اس قدر محدود ہے کہ بہت سے مشہور و متداول تذکروں کو اس مضمون کی نگارش کے وقت اپنی چھوٹی سی میز پر موجود نہ کرسکا۔ چند تذکرے جن سے میں اپنی آنکھیں روشن کرسکا ہوں ان میں خزانۂ عامرہ تو غنی کا نام تک نہیں لیتا۔ آتش کدہ کا لائق و ذی علم مگر مغرور و مدمغ مؤلف صرف ڈیڑھ سطر میں غنی کا تذکرہ اور نمونۂ کلام سب کچھ ختم کردیتا ہے۔ میر حسین دوست سنبھلی نے بھی اپنے تذکرۂ حسینی میں غنی کا ذکر چند سطروں سے زیادہ میں نہیں کیا۔ سراج الدین علی خاں آزاد کے تذکرۂ مجمع النفائس اور مرزا محمد افضل سرخوش کے تذکرہ کا مختصر اقتباس دیوان غنی کے خاتمہ یعنی آخری صفحہ میں درج ہے جو حد سے زیادہ مجمل ہے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب کا تذکرہ شمع انجمن بھی کوئی ایسی روشنی غنی کے حال پر نہیں

ڈال سکا جس سے کوئی مفید علم حاصل ہوسکتا۔اور کسی کی شکایت کیا کی جائے جبکہ مولانا شبلیؒ نے بھی اپنے قابل قدر تذکرہ شعرالعجم میں ابوطالب کلیم اور طالب آملی کا ذکر وکیا لیکن غنی کی طرف مطلق التفات نہیں فرمایا حالانکہ غنی کی شاعری کا مقام طالبؔ اور کلیم کی شاعری سے اُسی قدر زیادہ بلند ہے جس قدر طالبؔ وکلیم کی دنیوی دولت وثروت کا مرتبہ چشم ظاہر بین کے لئے بلند تھا۔

غنی کی تحصیل علمی کا مرتبہ، غنی کی عمر، اخلاق وعادات کی خصوصیات، زندگی کے دلچسپ اور قابل تذکرہ واقعات، خط وخال، پوشش ولباس، ذریعہ معاش وغیرہ باتیں تاریکی میں پہنچ گئی ہیں، جن کا روشنی میں لانا آج جوئے شیر کے لانے سے بڑھ کر دشوار کام ہے۔میں جو کچھ دوستوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں وہ ایک قطرے سے بڑھ کر نہیں جس سے مطلق پیاس نہیں بجھ سکتی۔کاش کوئی اُٹھے اور غنی کو قبر سے اُٹھا کر ہم سب کو ان کی زیارت کرائے یعنی پیٹ بھر کر اُن کا حال سُنائے۔غنی کا حال سُنانے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے ہندوستان وکشمیر کا وہ حال جس سے غنی کی شاعری کا مرتبہ اور غنی کے اخلاق کا اندازہ کرنے میں آسانی ہو سنایا جائے۔

(۲)

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے ساتھ ہی فارسی زبان بھی

آئی۔ فارسی کے ہمراہ فارسی کی شاعری بھی تشریف لائی۔ ہندوستان کے پہلے مسلمان حکمران خاندان کے عہد میں امیر خسرو جیسے زبردست شاعر ہندوستان کی آب وہوا میں پیدا ہو سکتے تھے جن کی اُستادی کا ایرانیوں کو بھی اقرار کرنا پڑا۔ تغلق خاندان کے عہد میں ہندوستان کی خاک نے فارسی زبان کے ایسے ایسے شاعر پیدا کئے کہ اُن کی مجلس میں بدر چاچ ایک معمولی شاعر تھا۔ محمد تغلق خود نہایت بلند مرتبہ شعر کہتا تھا۔ لودیوں کے عہد حکومت میں ہندوؤں نے بھی یہاں تک ترقی کی کہ فارسی زبان کی شاعری میں درجۂ اُستادی کو پہنچنے لگے۔ سکندر لودیؒ خود اچھے شعر کہہ سکتے تھے۔ اُنہیں کے زمانہ میں پنڈت ڈونگرمل ایک شاعر تھا۔ جس کا مطلع ہے۔

دل خوں نشدے چشم تو خنجر نشدے گر
رہ گُم نشدے زلف تو ابتر نشدے گر

بابر ہندوستان میں آیا تو ایرانی شاعر بھی ہمراہ لایا۔ آتشی قندھاری جو بابر کے ہمراہ ہندوستان آیا تھا مطلع ہے۔

سر شکم رفتہ رفتہ بے تو دریا شد تماشا کُن
بیا در کشتیِ چشمم نشین وسیر دریا کُن

اکبر کے زمانۂ حکومت سے شاہجہان کی وفات تک سو برس کے عرصہ میں فارسی شعراء کی تربیت و پرورش اور فارسی شاعری کو نشو ونما دینے کا

کام سلطنت نے اپنے ضروری کاموں میں شمار کیا۔ یہی سو برس ہندوستان کیلئے ایسے گزرے ہیں کہ ملک کا امن وامان، جاہ وحشم کی ریل پیل، عیش و عشرت کی فراوانی اور تمام وہ سامان جو شاعری کی پرورش کے لئے ضروری ثابت ہو سکتے ہیں سب موجود ومہیا تھے۔ اسی شاعروں والی صدی کے ابتداء میں اکبر نے ملک الشعراء کا عہدہ تجویز کیا اور اسی صدی کے خاتمہ پر عالمگیرؒ نے ملک الشعراء کے عہدہ ومنصب کو اُڑا دیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس صدی میں ہندوستان کے اندر فارسی زبان کے شعراء کا دڑبا کُھل گیا تھا۔ باوجود اس کثرت کے شاعروں کی حد سے زیادہ عزت اور قدر کی جاتی تھی۔ شاعروں پر رات دن انعام واکرام کی بارشیں ہوتی تھیں۔ پادشاہ خود بھی شعر کہتے تھے۔ بعض اوقات شاہی دربار مجلس مشاعرہ بن جاتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک ایک شعر کے عوض شاعر کو اس قدر دولت مل جاتی تھی جو آج کسی ڈپٹی کلکٹر کو چھ مہینہ کی تنخواہ میں بھی نہیں مل سکتی۔ شاعروں کی سفارشیں ہمیشہ درباروں اور سرکاروں میں کامیاب ثابت ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے صوبہ دار بڑے بڑے عالیجاہ امرا شاہی عتاب کی زد میں آ کر تباہ و برباد ہو جانے کے خطرے سے محفوظ نہ تھے۔ لیکن شاعر عموماً عتاب شاہی سے محفوظ رہتے تھے۔ جبکہ شاعروں کی تکریم وعزت، اُن کی خوشحالی و بلند اقبالی اپنے انتہائی عروج وکمال کو پہنچی ہوئی تھی اور ملک میں ہر طرف مال ودولت کی نہریں بہہ

رہی اور عیش وعشرت کی لہریں ہونہار جوانوں کو شاعری کی طرف بہائے لئے جا رہی تھیں۔ اُسی زمانہ یعنی عہد شاہجہانی میں غنی کشمیری نے ہوش سنبھالا اور زور سخن کے ذریعہ گوشۂ گمنامی سے سر باہر نکالا۔ لیکن یہ معلوم ہو کر لوگوں کو حیرت ہوگی کہ غنی نے جاہ ومنصب اور مال و دولت کو ہمیشہ نہایت ہی نفرت کی نظر سے دیکھا۔ غنی کی شاعری کا اُن کے ہمعصر وہم رتبہ شاعروں کے کلام سے مقابلہ تو آگے چل کر کیا جائے گا۔ اس موقع پر اس شاعروں والی صدی کے چند مشہور ونام آور شعراء کے منتخب کلام پر ایک غلط انداز نظر ڈالنی خالی از لطف نہ ہوگی۔

(۳)

ہر ایک شاعر کا صرف ایک ایک یا دو دو شعر اس طرح انتخاب کرتا ہوں کہ شاعر کے درجۂ شاعری اور رنگ کلام کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ میں اس بات سے واقف ہوں کہ صرف ایک دو شعر سے کسی کے کلام کی تمام خصوصیات کا ہرگز اندازہ نہیں ہو سکتا مگر چونکہ غنی کا تذکرہ لکھنا مقصود ہے لہٰذا اوراق میں اس حصۂ مضمون کو زیادہ جگہ نہیں دی جا سکتی۔ بنا بریں میں نے اس مختصر انتخاب کے لئے زیادہ محنت اور زیادہ وقت کا صرف کرنا گوارا کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس قدر چھوٹے سے چھوٹا اور صحیح انتخاب مجھ جیسی

قابلیت کا آدمی اس سے بہتر نہیں کرسکتا۔

جمال الدین عرفؔی شیرازی

میروی با غیرومی گوئی بیا عرفی توہم

لطف فرمودی برد کیں پائے را رفتار نیست

یعنی: غیر کے ساتھ جا رہے ہو کہتے ہو عرفؔی تم بھی آؤ۔ یہ آپ نے مہربانی فرمائی۔ آپ جاؤ میرے ان پاؤں میں چلنے کی سکت نہیں۔

عُرفی بحال نزع رسیدی و بہ شدی

شرست نیا مد از دلِ اُمیدوار دوست

یعنی: عرفی تم نزع کی حالت تک پہنچ کر پھر صحت مند ہوئے تمہیں محبوب کے امیدوار دل سے شرم بھی نہیں آئی (محبوب تو تمہارے مرنے کی امید لگائیے ہوئے تھا۔)

کفرانِ نعمت گلہ مندانِ بے ادب

در کیش من زشکر گدایانہ بہتر است

یعنی: بے ادب شکایت کرنے والوں کا انکار نعمت میرے طریقے کی رو سے بھکاریوں کی شکر گذاری سے بہتر ہے۔

کشادم دام بر کنجشک و شادم یاوآں ہمت

کہ گر سیمرغ می آمد بدام آزاد میکردم

یعنی: میں اب چڑیا کے لئے جال لگا کر خوش ہوتا ہوں۔ ذرا میری اس ہمت کو بھی یاد کر کہ اگر کبھی سیمرغ بھی میرے جال میں پھنس جاتا تھا میں اُسے آزاد کر دیتا تھا (اپنے حالات کی خرابی کا بیاں)۔

حکیم ابوالفیض فیضؔی فیاضی

محتسب بگذر زمن تا چند آزاری مرا
چشم من از گریہ سُرخ و مست پنداری مرا

یعنی: اے محتسب مجھے چھوڑ دے کہاں تک مجھے تکلیف دو گے۔ میری آنکھیں تو رونے کی وجہ سے سرخ ہیں اور تو مجھے مدہوش خیال کرتا ہے۔

فلک از کجر ویہایت نمیگویم کہ بر گردی
شب وصل است امشب اند کے آہستہ تر گردی

یعنی: اے آسمان میں نہیں کہتا کہ تو اپنی ٹیڑی روش چھوڑ مگر آج میرے محبوب سے ملنے کی رات ہے تھوڑا آہستگی نرمی اختیار کر۔

چشمے کہ تو فیضی بُرخِ دوست کشودی
باید کہ بآں چشم نہ بینی دگراں را

یعنی: جن آنکھوں سے تو نے اے فیضی دوست کا چہرا دیکھا۔ چاہئے کہ اُن آنکھوں سے تو اوروں کو نہ دیکھے۔

محمد حسین نظیرؔی نیشاپوری

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

یعنی: سر سے پاؤں تک جہاں بھی دیکھتا ہوں کمال حسن کرشمہ میرے دل کے دامن کو کھینچتا ہے کہ یہی خوبصورت ترین جگہ ہے یعنے معشوق کے جسم کا ہر عضو دلکش ہے۔

گرچہ میدانم قسم خوردن بجانت خوب نیست
ہم بجان تو کہ یادم نیست سوگند دگر

یعنی: اگر چہ میں جانتا ہوں کہ تمہاری جان کی قسم کھانا اچھا نہیں ہے لیکن تمہاری جان ہی کی قسم مجھے تو اور کوئی قسم یاد بھی نہیں ہے۔

عبدالرحیم خانخاناں

مرا فروخت محبت ولے نمی دانم
کہ مشتری چہ کس است وبہائے من چند است

یعنی: مجھے عشق نے فروخت کیا مگر یہ معلوم نہیں کہ خریدار کون ہے اور میری قیمت کیا لگی۔

بابا فغانی شیرازی

آلودہ شراب فغانی بخاک رفت
آہ ارملائکش کفن تازہ بو کنند

یعنی: فغانی شراب سے تربتر یعنے آلودہ ہی قبر میں دفن ہوا۔ افسوس اگر ملائکہ نے اس کے تازہ کفن کو سونگا تو پھر کیا ہوگا۔

دلے می باید و صبرے کہ آروتاب آزارش
فغانی گردے داری تو باش اینجا کہ من رفتم

یعنی: ایک تو (مضبوط) دل چاہئے اور پھر کمال صبر کہ اسکے تکالیف کو برداشت کیا جا سکے، فغانی اگر تمہارے پاس ایسا دل ہے پھر تو یہی ٹھہر میں تو چلتا ہوں۔

حزنی اصفہانی

تو شرط یاری و رسم وفاداری نمی دانی
ہمیں دل می توانی برد و دلداری نمی دانی

یعنی: تم دوستی کی روش اور وفاداری کے طریقے نہیں جانتے ہو۔ دل تو لیتے ہو مگر دلداری سے نا آشنا ہو۔

مرا برسادہ لوحی ہائے حزنی خندہ می آید
کہ عاشق گشتہ و چشم وفا از یارہم دارد

یعنی: مجھے تو حزنی کی سادہ دلی پر ہنسی آتی ہے کہ عاشق ہوا اور محبوب سے وفا کی توقع رکھتا ہے۔

میرزا ملک قمی

گریم کہ زقید قفس آزاد کنندم
کو قوتِ پائے کہ تو انم بچمن رفت

یعنی: روتا ہو کہ اگر مجھے قفس کی قید سے آزاد کیا جائے گا تو پاؤں میں چلنے کی طاقت کہاں کہ پھر سے باغ میں چلا جاؤں۔

بیا ساقی شب عید است فکر عیدی من کُن
ز آتش برگ ماہ نو چراغ بادہ روشن کُن

یعنی: ساقی آؤ عید کی رات ہے میری عیدی کے بارے میں سونچ۔ نئے چاند کی تابنا کی سے شراب کے چراغ کو روشن کر (یعنی شراب پلا)۔

غزالی مشہدی

اے غزالی گریزم از یارے
کہ اگر بد کنم نکو گوید
من وآں سادہ دل کی عیب مرا
ہمچو آئینہ روبرو گوید

یعنی: اے غزالی ایسے دوست سے میں دور بھاگتا ہوں (کہ جس کی عادت ہو کہ) اگر میں غلط کروں وہ اسے اچھا کہے۔ میں تو اُس سادہ دل صاف گو کا چاہنے والا ہوں جو آئینہ کی طرح میرے سامنے مجھ سے میری کوتاہیاں بیان کرے (یعنے میری خامیوں کو میرے سامنے بنان کرے) تا کہ میں اپنی اصلاح کی فکر کروں۔)

قاسم کاہی

ز خضر عمر فزون است عشقبازاں را
اگر ز عمر شمارند روز ہجراں را

یعنی: عاشقوں کی زندگیاں خضر سے بھی لمبی ہیں۔ اگر وہ اپنی زندگیوں کے وہ دن بھی

شمار کریں جو انھوں نے ہجر میں گذارے۔

میرزا اسد اللہ خاں غالبؔ اسی مضمون کو اُردو میں اس طرح فرماتے ہیں۔

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں
شبہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

میلی ھروی

میرم و برزندگانم رشک می آید کہ تو
خوباں بیدادہا داری کہ بامن کردۂ

یعنی: میں مرتا ہوں اور زندوں پر رشک آتا ہے اس لئے کہ وہ ستم تو بہت ہی اچھے تھے جو تم نے مجھ پر کیے (یعنی اب زندہ ہی اُن سے لطف اندوز ہونگے)۔

حیاتی گیلانی

کوئے عشق است ایں سر بازار نیست
لب بہ بند این جا زباں درکار نیست

یعنی: یہ عشق کی گلی ہے کوئی بازار نہیں۔ اپنا منہ بند رکھ یہاں زبان یعنی گفتگو کی حاجت نہیں۔

شکیبی اصفہانی

درد است متاعم نہ طرب نرخ چہ پرسی
دانم کہ تو نستانی ومن هم نفرد شم

یعنی: میرا سامان درد ہے عیش نہیں (میرے اس سامان کی) قیمت کیا پوچھتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم خریدو گے نہیں اور میں بھی نہیں بیچوں گا۔

صبوحی چغتائی

سر شکم رفتہ رفتہ بے تو دریا شد تماشا کن
بیا در کشتیِ چشم نشین و سیرِ دریا کُن

یعنی: میرے آنسوؤں کی لڑی تمہاری دوری میں آہستہ آہستہ ایک دریا کی شکل اختیار کر گیا۔ آؤ اور میری آنکھوں کی کشتی میں بیٹھ کر اس دریا کی سیر کر (یعنی تمہاری فرقت سے ہوئی میری خستہ حالی کا مشاہدہ کر)

محوی ہمدانی

صد تجربہ و صد آزموں درکار ست
صد عقل برائے یک جنوں درکار است
تو طالع ارجمند داری بگذر
کاینجا ہمہ بخت واژگوں درکار است

یعنی: سو تجربے اور سو آزمائشوں کی ضرورت ہے۔ ایک دیوانگی کے لئے سو عقلیں چاہئے۔ تمہاری قسمت تو بلند ہے تو چلا جا (تیرا یہاں کام نہیں) یہاں تو صرف قسمت کی خستگی کی قیمت ہے (یعنی الٹی اور اوندھی قسمت ہی عشق کی راہ پر چلنے والوں کی پہچان ہے۔)

مشفقی بخاری

بکوئش رفتم و درپائے دل خارے شکست آنجا
بحمد اللہ کہ تقریبے شد از بہر نشست آنجا

یعنی: میں اس کے کوچے میں چلا گیا اور دل کے پاؤں میں جیسے کانٹا چُب کر ٹوٹ گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہاں بیٹھے رہنے کی ایک وجہ پیدا ہوئی (یعنی دل کا ایسا حال ہوا کہ اس کے کوچے سے آگے نہ چل سکا۔)

صالحی

مرا گویند بیدردان بزن دستے بداماںش
مرادستے اگر بودے گریباں پارہ میکردم

یعنی: مجھ سے بیدرد لوگ کہہ رہے کہ اُس کا دامن ہاتن سے پکڑ اگر میرے ایسے ہاتھ ہوتے یا میرے ہاتھوں میں طاقت ہوتی تو میں اپنا گریبان پھاڑ ڈالتا۔(عاشق کی بے بسی کا اظہار)

میر یحییٰ کاشی

بروز درد و غم دوری زیارو آشنا بہتر
چو عضوے دردمند فتاد از اعضا جدا بہتر

یعنی: غم اور پریشانی کے ایام میں دوست اور آشنا سے دور رہنا بہتر ہے۔ جب کوئی عضو درد سے بیکار ہوتا ہے تو اس کا جسم کے دیگر اعضاء سے جدا ہونا ہی بہتر ہوتا ہے۔

بچنگ ناصح آور یا رب آں ترک سپاہی را
کہ بنماید باو دل بروں خواہی نخواہی را

یعنی: یارب اس خوبصورت اور تند معشوق کا واسطہ کسی ناصح سے پڑے تا کہ اُسے بھی

بے وجہ اور نا چاہتے ہوئے دل کا حال ظاہر کرنا پڑے۔

دوا یکیست بدارالشفائے میکدہا

ز ہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہند

یعنی: میکدہ کے شفاخانے میں ایک ہی دوا ہے۔ جو کوئی کسی بھی بیماری کی شکایت کرے اسے (دوا کے طور پر) شراب دی جاتی ہے۔

ہلالی اصفہانی

اے کہ می پرسی زمژگاں ماہ را منزل کجاست

منزل او در دل ست اما ندانم دل کجاست

یعنی: اے وہ کہ پلکوں کے ہلال سے پوچھ رہے ہو کہ چاند یعنی محبوب کا ٹھکانا کہاں ہے۔ اس کا ٹھکانا تو دل ہے لیکن یہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ دل کہاں ہے۔

میر نظام

من نمے گوئیم نصیب مدعی ہجراں شود

آنچہ با مادر دلش باشد نصیبش آں شود

یعنی: میں نہیں کہتا ہوں کہ مدعی کی قسمت میں (اپنے محبوب) سے دوری ہو بلکہ اس کے

دل میں میرے لئے جو بھی جذبہ ہو وہی اسکی قسمت بھی ہو۔

غبارے گرنشیند از رہ آں نازنین من
بود باد صبا را منت روئے زمیں برمن

یعنی: اگر میرے اس حسین محبوب کے راہ کی خاک بھی مجھ تک پہنچے یہ صبح کی ہوا کا مجھ پر دنیا برابر احسان ہوگا۔

میر وحید

ز زخم تیغ نمیرم ولیک می ترسم
کہ زندہ مانم و گردی تو شرمسار از من

یعنی: تلوار کے ضرب سے میں (ہرگز) نہ مرتا لیکن اس کا اندیشہ رہا کہ اگر میں زندہ بچا تو یوں تم میری وجہ سے شرمندہ ہو جاؤ گے۔

میرزا واعظ

ایں قدر فیضے کہ من از بیزبانی بردہ ام
ترسم آخر شکر خاموشی کند گویا مرا

یعنی: اپنی بے زبانی سے میں نے اتنا فائدہ حاصل کیا کہ اندیشہ ہے نہ اس توفیق پر مجھے زبان کھولنی پڑے گی۔

غازی خاں وقاری

گریہ ام گر سبب خندۂ او شد چہ عجب
ابر ہر چند کہ گرید رخ گلشن خندد

یعنی: میرا رونا اگر اسکے ہنسنے کا سبب بنا تو اس میں کیا عجیب بات ہے کیونکہ بادل بھی جتنا برستے ہیں باغ اتنے ہی پُر رونق اور شاداب ہوتے ہیں۔ (یعنی بادلوں کا رونا باغوں کی ہنسی کا سبب بنتا ہے)

طالب آملی

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

یعنی: اپنے ہونٹ میں نے گفتگو کرنے سے ایسے روکے ہیں گویا کہ میرا منہ میرے چہرے پر ایک زخم تھا جو بھر گیا ہو۔

نالۂ مرغ چمن گم کردہ سیر آہنگ نیست
واگذارید اے نوا سنجاں بخاموشی را

یعنی: جب پرندے کا آشیانہ اس سے چھوٹا ہوا اسکے نغمے فرحت بخش نہیں رہے۔ اس

لئے اے گانے والوں مجھے خاموش ہی رہنے دو۔

مردم ز رشک چند بہ بینم کہ جام مے
لب برلبش گذارد و قالب تہی کند

یعنی: میں رشک سے مر گیا جب میں نے دیکھا کہ شراب کا پیالہ جوں ہی اپنا دہن اسکے لبوں پر کھتا ہے خود کو خالی کر دیتا ہے۔

اہلی شیرازی

عجب کہ شمع شبے در سرائے من سوزد
من آں نیم کہ کسے از برائے من سوزد

یعنی: یہ عجیب معاملہ ہوا کہ ایک رات شمع میری نشست گاہ میں جلتا رہا کیونکہ میں تو ایسا نہ ہوں کہ کوئی میرے لئے جلے (یا تکلیف اٹھائے)

مرزا احسن بیگ رفیع

دلِ دیوانۂ خود را بزلف یارمی بندم
اگر عاشق شدن کفر است من زنارمی بندم

یعنی: میں نے اپنا دیوانہ دل اپنے محبوب کے زلفوں سے باندھ دیا اگر عاشق ہونا کفر ہے تو پھر میں نے بھی کفر کا زنار باندھ لیا ہے۔

میر حیدر معمائی رفیعی

نمی دانم چہ سازم آہ با جانِ غیور خود

کہ بہر دیدنش می میرود وسویش نمی بنید

یعنی: میں نہیں جانتا ہوں کہ میں اپنی غیرت مند جان سے کیا معاملہ کروں۔ وہ تو محبوب کو دیکھنے کے لئے مچلتی ہے لیکن پھر بھی اسکے طرف نہیں دیکھتی (غیرت کی وجہ سے)

سلطان علی بیگ رہی

فضائے کنج قفس دل نشینم افتاد است

وگرنہ درہمہ جا آب و دانہ بسیار است

یعنی: قید خانے کے کونے کی فضا میرے دل کو بھلی لگی ہے۔ ورنہ آب و دانہ تو ہر جگہ بہت میسر ہے۔

خصالی کاشی

ز بیم غمزہ اش وزدیدہ دروے بینم و ترسم
چو شخصے کز چمن گل چنید و از باغباں ترسد

یعنی: میں اسکے ناز وادا کے خوف سے اس کی طرف کن آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جیسے اس شخص کی طرح جو باغ سے پھول کاٹ کر چُرا لیتا ہے اور مالی سے بھی ڈرتا ہے۔

حسن خان شاملو

صد باغ و بزم چشم براہ من ست و من
دست جنوں گرفتہ بویرانہ می روم

یعنی: میری راہ میں سو باغ وشاندار مجلسیں ہیں اور میں ہوں کہ دیوانگی کا ہاتھ تھامے ویرانے کی طرف جاتا ہوں۔

حکمت قمی

رم می کند از بسکہ ز تمثال خود آن شوخ
از عکس خودش تا بہ خش راہ دو ماہ است

یعنی: وہ بے پرواہ معشوق اپنی تصویر سے بھی پہلو تہی کر کے بھاگتا ہے۔ اس کے چہرے کے عکس سے اور اسکے چہرے کے حقیقی حسن میں بہت دوری ہے۔

سید حسین خالص

دیوانہ براہے رود و طفل براہے
یاران مگر ایں شہر شما سنگ ندارد

یعنی: دیوانہ اپنی راہ چلتا ہے اور چھوٹا لڑکا اپنے راستے پر۔ دوستوں! گویا کہ تمہارے اس شہر میں پتھر نہیں ہے (کہ کوئی دیوانے کو پتھر نہیں مارتا)

مولانا اُمیدی رازی

کاش گردوں از سرم بیروں برد سودائے تو
یا مرا صبرے دہد چند انکہ استغنائے تو

یعنی: کاش تقدیر میرے سر سے تمہارے خواہش نکال دے یا مجھے تمہاری بے پروائی کے برابر صبر عطا کرے۔

ابو طالب کلیم

از پئے راہ فنا ساماں ندارم ورنہ من
خویش رامی سوزم ار یکمشت خس باشد مرا

ترک سرکردم کہ از مردم نہ بینم درد سر

از نفس بیزارم از یک ہمنفس باشد مرا

کار عالم گر ہمیں آزار من باشد کلیم

ناکسم ناکس اگر کارے بکس باشد مرا

یعنی: فنا کی راہ کے لئے سامان نہیں رکھتا ہوں میں ورنہ میں خود کو جلا ڈالتا اگر مجھے سوکھے گھاس کی ایک مٹھی بھی میسر ہوتی۔

میں نے اپنے سر کو چھوڑ دیا (یعنی خواہش) تا کہ لوگ مجھے دردِ سر نہ دیں۔ میں اپنے آپ سے ناخوش ہوں۔ مجھے ایک ایسا ساتھی چاہیئے جس کو میں اپنا حالِ دل بیان کروں۔

اگر دنیا کا کام بس یہی ہے کہ مجھے تکلیف پہنچائے تو میں بالکل نالائق ہوں اگر میں کسی کے ساتھ کوئی وابستگی رکھوں۔

حاجی محمد جان قدسی

در بزم وصال تو بہنگام تماشا

نظارہ ز جنبیدان مژگان گلہ دارد

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

گلچین بہار تو ز دامان گلہ دارد

یعنی: تمہاری وصل کی مجلس میں دیدار کے وقت، دیدار کو پلکوں کی حرکت سے بھی

شکایت رہتی ہے(یعنی دیدار مکمل یکسوئی چاہتا ہے) آنکھوں کا پھیلاؤ تنگ اور تمہارے حسن کی نیرنگیاں بہت ہیں، تمہاری بہارِ حسن کے پھول توڑنے کو داماں کی تنگی کی شکایت ہے۔

خیز قدسی بعد ازیں در قید ایں کشور مباش
مدتے بودی گرفتار وطن دیگر مباش

یعنی: اُٹھ قدسی اب کے بعد اس ملک کا اسیر نہ رہ۔ بہت مدت گذر چکی وطن کی محبت میں اور گرفتار نہ رہ۔

عنایت خاں ولد ظفر خاں آشنا

بنیشیں بگوشۂ اگر آزروہ زخلق
پائے شکستۂ تو بجائے نرفتہ است

یعنی: ایک کونے میں بیٹھو اگر لوگوں سے رنجیدہ ہو جیسے کہ تمہارے پاؤں ٹوٹ گئے ہوں اور تم کہیں جانے کے لائق نہیں ہو۔

محمد قلی سلیم

بعیش آباد ہندوستاں غم پیری نمی باشد
کہ نتواند از شرم کمرہا شد سفید آنجا

یعنی: ہندوستان کے عیش کدہ میں بڑھاپے کا غم نہیں۔ وہاں تو حسینوں کی نازک کمر کو دیکھ کر شرم سے بال بھی سفید نہ ہونگے۔

تواں از دانہ ہائے سبحہ دانست
کہ دلہا را بدلہا ہست را ہیست

یعنی: چاہئے کہ تسبیح کے دانوں سے (یہ بات) سمجھ لو کہ دلوں کو دلوں سے راہ ہے، جیسے تسبیح کے دانوں کے اندر سے دھاگہ ایک کو دوسرے کے ساتھ راہ کی طرح ملاتا ہے۔

اسلام خاں (صوبہ دار کشمیر)

بے تو شام تا بروز ما شبخوں میزند
مردم چشم ز گریہ غوطہ در خوں میزند
وسعتے پیدا کن اے صحرا کہ امشب از غمش
لشکر آہ من از دل خیمہ بیروں میزند

یعنی: تمہارے بغیر میری شام صبح تک مجھ پر شب خوں ڈالتی ہے یعنی میری حالت خراب کرتی ہے۔ میری آنکھوں کی پتلیاں روتے روتے خون میں غوطہ کھاتی ہیں۔ اب کچھ کشادگی پیدا کر۔ اے صحرا کہ آج کی رات اسکے غم میں آہوں کا لشکر دل سے باہر نکال رہا ہے۔

ظفر خاں (صوبہ دار کشمیر)

دلم بکوئے تو اُمید داری آید
نگاہ دار کہ روزے بکاری آید

یعنی: میرا دل تمہارے کوچے میں امید لیکر آتا ہے۔اس کا خیال رکھ کہ ایک دن وہ تمہارے کام آئے گا۔

مرزا صائب اصفہانی

طفل و اندوایہ را حور بہشت و جوئے شیر
زشتیٔ زالِ جہاں بر ناقصاں معلوم نیست

یعنی: بچہ تو اپنی انا کو ہی (بے خبری کی وجہ سے) جنت کی حور (اور اس کے دودھ کو) جنت کی (جوئے شیر) دودھ کی نہر سمجھتا ہے،(اسی طرح) زالِ جہاں یعنی پرفریب دنیا کے مکر سے نادان لوگ باخبر نہیں ہیں۔

دل مبر بر عمر مستجعل کہ اسپ تند را
نیست مانع از دویدن بافشردن در رکاب

یعنی: اس تیز رفتار عمر سے دل نہ لگا کیونکہ سرکش گھوڑے کو تمہارے رکاب میں پاؤں ڈالنا دوڑنے سے نہیں روک سکتا ہے۔

مرزا جلال اسیر

حدیث درد عشق ما بنام دیگراں گویند
باین تقریب شاید بشنود افسانۂ ما را

یعنی: میرے عشق کے درد کا قصہ دوسرے کے نام سے بیان کیا جاتا ہے اس طرح شاید یوں وہ (یعنی محبوب) میرا افسانہ (غم) سن لے۔

بعالمے ندہم ذوق مے پرستی را
شکستہ دل نکنم گریہ ہائے مستی را

یعنی: میں تو ایک دنیا کے لئے بھی اپنی شراب خوری کی عادت نہ چھوڑوں گا۔ میں تو مستی کے عالم میں کی ہوئی گریہ وزاری کو یوں بے وقعت نہ کروں گا۔

رخصت طوفاں و ہم گر اشک عالمگیر را
گم کند چوں موج دریا رشتۂ تدبیر را
دل کہ بے آہست خواہم از نظر افگندنش
برمیاں بہرِ چہ بندم ترکش بے تیر را

یعنی: اگر میں اپنے کثرت گریہ وزاری کو طوفان کی اجازت دے دوں وہ اس کارخانہ

دنیا کو موج دریا کی طرح گم کردے گا۔
چاہتا ہوں کہ دل خاموشی سے اسکی نظر کا شکار ہو۔اب میں یہ اپنے پہلو میں تیروں سے خالی ترکش کیوں باندھ لیا ہے (جبکہ تیر نگاہ سے مقابلہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔)

شیخ محمد محسن فانیؔ (اُستادِ غنی)

از بسکہ دل ز دامن ترآب می خورد
مے می کند قصور اگر آب می خورد
پیوستہ گرم سرو جہاں درپئے ہم است
شب ہر کہ بادہ خورد و سحر آب می خورد
در مجلس شراب دماغش نمی خورد
فانی بجائے بادہ مگر آب می خورد

یعنی: یہ اس وجہ سے کہ دل تر دامن سے آب پیتا ہے (یعنی احساس گناہ سے روتا ہے) شراب بھی ناکام ہوگی اگر ایسے پانی سے آشنا ہو۔
جہاں کا اُتار اور چڑاؤ (سرد و گرم) ہمیشہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے لگے ہوتے ہیں جو بھی رات کو شراب پیئے گا صبح کا لازمی طور وہ پانی پیئے گا۔
شراب مجلس میں اسکی عقل زائل نہ کرے (اس لئے) فانیؔ شراب کے بدلے وہاں پانی پیتا ہے۔

(۴)

اس ایک صدی میں فارسی شاعری نے وہ ترقی کی کہ اُس کے بعد ترقی کے لئے کوئی دلچسپ اور قابل دید تذکرہ میدان باقی نہ رہا۔ زبان کی شستگی و شیرینی، ادائے بیان کی دل نشینی، ترجمانی جذبات کی نزاکت و دل فریبی، خیالات کی بلند پروازی، مضامین جدید کے تجسس میں موزونی اور وجدان سلیم کا پاس ولحاظ، استعارات کی خوبی، تشبیہات کی برجستگی۔ غرض کہ ہر قسم کے تمام وہ محاسن جن کا کسی خوش حال اور فارغ البال ملک کی شاعری سے تعلق ہوسکتا ہے فارسی شاعری میں موجود ہو گئے۔ ہندوستان میں اکبر و جہانگیر و شاہجہان نے، ایران میں صفوی سلاطین یعنی طہماسپ وعباس وغیرہ نے فارسی شاعری کی آبیاری میں چاندی سونے کے مضروب ٹکڑوں کو پانی کی طرح بہایا اور شاہانہ عزم وہمت کا ایسا زور لگایا کہ ہندوستان وایران کے تمام قابل تعریف دماغ شاعری کی ہر ہفت وآرایش میں مصروف ہو گئے کیونکہ ذرا ذرا سی کاوشوں کے صلہ میں روپیوں اور اشرفیوں کے بڑے بڑے انبار سمیٹے جاسکتے تھے۔ ایک مرتبہ کلیم کا کوئی قصیدہ یا مطلع سُن کر شاہجہان نے اُس کو چاندی میں تُلوایا تو کلیم کے وزن میں ساڑھے پانچ ہزار روپے چڑھے۔ مرزا صائب نے ایران سے نواب جعفر خاں کی خدمت میں یہ شعر

لکھ کر بھیجا۔

دور دستاں را باحساں یاد کردن مشکل است

ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمری افگند

یعنی: دور پڑے ہوؤں کو مہربانی سے یاد کرنا مشکل ہے۔ یوں تو ہر درخت اپنے جڑ کے پاس میوہ پھینکتا ہے

جعفر خاں نے پانچ ہزار اشرفیاں اس ایک شعر کے عوض میں بھجوائیں۔ ایران و ہندوستان دونوں ملکوں میں امن و امان تھا۔ عیش و عشرت کے سامان مہیا تھے۔ اسی لئے اس صدی میں کوئی فردوسیؔ یا نظامیؔ پیدا نہیں ہو سکتا تھا نہ کسی حکیم ثنائیؔ اور سعدیؔ کی گنجائش تھی۔ مذکورہ بالا انتخاب میں نمایاں طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ عاشق معشوق کی باتیں، وصل و ہجر کے قصے، راز و نیاز، شکوہ و شکایت وغیرہ عشق مجازی کے تمام توابعات مخصوصات بڑی خوبی اور شوق کے ساتھ ادا کئے جاتے تھے۔ شاعروں کے لئے عشق و محبت سے بڑھ کر کوئی دلچسپ موضوع نہ تھا۔ اگر زبان کی خوبیوں سے قطع نظر کی جائے تو اس معراج کمال کو پہنچی ہوئی شاعری سے کوئی مفید ملک و قوم سامان دستیاب نہیں ہو سکتا اور کہا جا سکتا ہے کہ عشق و محبت کی لئے اس قدر بڑھ گئی کہ بالآخر وہی عاشق معشوق کی بیماری آج تک تپ دق بنی ہوئی ملک و قوم کے بہت سے قیمتی دماغوں اور قابل قدر دلوں کو ماؤف بنا رہی ہے۔ اس سے یہ

نہ سمجھا جائے کہ میں شاعری اور عاشقانہ طرز ادا کے قوی تعلق سے انکار کر رہا ہوں بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ شاعری کی تمام تر طاقت منجملہ بہت سے موزون مصرفوں کے صرف ایک ہی مصرف میں صرف کردی گئی جسکی وجہ سے تصوف، اخلاق، تاریخ وغیرہ تو تشنہ رہ گئے اور عشق و محبت کے جذبات ترقی کرتے کرتے بلائے جان بن گئے۔ عاشقانہ مضامین کے سوا دوسری چیز قصیدہ سرائی یعنی بادشاہوں اور امیروں کی خوشامد ہے۔ یہ مرض بھی عاشقی والے مرض سے کچھ کم ضرر رساں نہیں ہے۔ اس خوشامد و چاپلوسی کے مرض نے شاعروں کی حمیت وخودداری کو بالکل فنا کردیا۔ اس صدی کے بعد جو لاگ پیدا ہوئے اُن کی تربیت وتہذیب کے لئے خانخاناں، ابوالفتح، جہانگیر، ظفر خاں وغیرہ قدردان وسخن شناس نقاد موجود نہ تھے لہٰذا وہ نہ زبان میں کوئی ترقی کرسکے نہ مضامین میں کوئی دلفریب اسلوب پاسکے۔ پُرانے مضامین کو نیا لباس پہنانے اور ہوا میں گرہ لگانے یعنی خیال بندیوں میں اُلجھ کر رہ جانے کے سوا اور کچھ نہ کرسکے۔ ان میں بعض خوش گو ضرور ایسے بھی پیدا ہوئے جو مدح کے قابل ہیں لیکن اُن کی کسی نے بات بھی نہ پوچھی۔

ہاں! تو مجھ کو یہ بتانا منظور ہے کہ اکبر و جہانگیر و شاہجہان والی صدی (جو فارسی شاعری کے لئے مخصوص صدی ہے) کے آخری حصہ میں کہ فارسی شاعری کے انتہائی عروج وترقی کا زمانہ تھا، غنؔی پیدا ہوئے۔ آگے چل

کر معلوم ہوگا کہ غنی نے نہ کسی امیر و وزیر سے کوئی صلہ وانعام حاصل کیا نہ کسی سلطان و پادشاہ کے دربار میں پہنچنے کی کوشش کی۔ نہایت افلاس و آزادی و خودداری کی حالت میں زندگی بسر کی۔ فارسی شاعری میں وہ کمال پیدا کیا اور عشقیہ مضامین سے جو حد سے بڑھ کر شاعری بالخصوص صنف غزل کے لئے عیب بن گئے تھے بہت کچھ محترز رہ کر وہ دلچسپ و بے ضرر پیرایہ اختیار کیا کہ آج بھی اس نئی روشنی کے زمانے میں لوگ غنیؔ کا کلام پڑھتے ہیں اور سر دُھنتے ہیں۔ نہ غنی کے ہمعصر شعراء میں کوئی غنی کا ہمسر ہوسکا نہ غنی کے بعد آج تک کوئی اُن کے طرز خاص کی تقلید کرسکا۔ پیشتر اس کے کہ غنی کے کلام پر نظر ڈالی جائے اُن کے حالات زندگی جو کچھ معلوم و مہیا ہوسکے ہیں پیش کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

مولانا محمد طاہر غنی کشمیری

خواجہ محمد اعظم شاہ مصنف تاریخ کشمیر اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مصنف تذکرۂ شمع انجمن کی روایت کے موافق غنیؔ کشمیر کی مشہور قوم اشائی سے تعلق رکھتے تھے۔ غنی کی تاریخ تولد اور عمر کسی نے بیان نہیں کی۔ سال وفات بالاتفاق ۱۰۷۹ھ بیان کیا جاتا ہے۔ مرزا محمد افضل سرخوش اور دوسرے تذکرہ نویسوں کے بیان کے موافق غنی نے عین عالم شباب میں وفات پائی۔ اس لئے مکرمی مولوی محمد الدین صاحب فوقؔ کا یہ بیان (جو اُن کی کتاب مشاہیر کشمیر میں مسطور ہے) بالکل درست اور قرین قیاس ہے کہ غنی ۱۰۴۰ھ یعنی شہاب الدین شاہجہان کی تخت نشینی کے تیسرے سال پیدا ہوئے۔ غنی نے ۱۰۶۰ھ میں مشق سخن شروع کی کہ اُس وقت عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ سرخوش کی روایت کے موافق غنیؔ تخلص اس لئے اختیار کیا کہ اس سے مشق سخن یعنی شاعری کی ابتدا کا سال ۱۰۶۰ھ برآمد ہوتا ہے۔

اس طرح شاعری کا زمانہ اُنیس سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اس اُنیس سال کی مدت کو تمام تذکرہ نویس غنیؔ کے کلام کی رفعت و پختگی کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل مدت قرار دیتے ہیں۔ نواب صاحب بھی شمع انجمن میں فرماتے ہیں ''چوں طبع بلند داشت در کمتر روزگار حیثیتے شائستہ بہم رسانید و آخر بغواصی بحر سخن اُفتاد و جواہرے کہ بنقد جاں تواں خرید بیروں آورد''۔ تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ غنیؔ محسن فانیؔ کے شاگرد ہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ یہ شاگردی شاعری میں تھی یا دوسرے علوم مروّجہ میں۔ قیاس چاہتا ہے کہ دوسرے رسمی علوم بھی سب محسن فانیؔ ہی سے حاصل کئے ہوں اور اُنہیں کے فیض صحبت سے شاعری کا شوق بھی پیدا ہو گیا ہو۔ شیخ یعقوب صرفیؔ کشمیر کے ایک ذی علم اور جامع الکمالات بزرگ اور عہد اکبری کے ایک زبردست شاعر تھے۔ محسن فانیؔ اُن کے بھتیجے نہایت طباع و ذہین عالم اور اوسط درجہ کے شاعر تھے۔ پہلے بیان ہو چکا کہ اُس زمانہ میں امراء و سلاطین شاعری کی کیسی قدر کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان دونوں چچا بھتیجے کو علم و فضل کے ساتھ شاعری کی طرف بھی توجہ کرنی پڑی۔ محسن فانیؔ کے کلام کا نمونہ اوپر پیش ہو چکا ہے۔ صرفی کشمیری کا کلام بھی ملاحظہ ہو۔

ہم ز دل دزدیدہ صبر و ہم دل دیوانہ را
وز دہن با خانہ می و زد مومتاع خانہ را

یعنی: دل سے صبر بھی چُرالیا اور پھر دیوانہ دل کو بھی چُرالیا۔ میرے چور نے تو گھر کے ساتھ گھر کا سامان بھی چرالیا۔

ز ضعف تن عجب حالیست بیمار محبت را
کہ نتواند کشید از ناتوانی بارِ صحت را

یعنی: جسم کی کمزوری سے محبت کے بیمار کی عجیب سی حالت ہے۔ کہ کمزوری کی وجہ سے تو وہ صحت مندی کا بھوج بھی نہیں اٹھا سکتا ہے۔

محسن فانیؔ کا اکابر کشمیر میں شمار ہوتا ہے۔ اُن کی شہرت علمی نے دارا شکوہ کو اُن کا مشتاق ملاقات بنایا۔ چنانچہ کچھ دنوں شہزادہ ولی عہد کی مصاحبت میں رہے۔ اُس کے بعد کشمیر کے قاضی القضات مقرر ہوئے۔ اس حالت میں بھی درس تدریس کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ کشمیر میں اُن کے سینکڑوں شاگرد تھے مگر ایک شاگرد یعنی مولانا محمد طاہر غنیؔ ایسے ہوئے کہ اُن کی عظمت و شہرت کے آگے دوسرے شاگردوں کے نام فنا ہو گئے حتیٰ کہ خود اُستاد کا نام بھی غنیؔ کے طفیل لوگوں کی زبان پر آجاتا ہے ورنہ فانیؔ کو آج اس جہان فانی میں کون جانتا ہے؟

جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ غنیؔ نے اپنی شاعری کی اس قلیل مدت میں ایک لاکھ سے زیادہ اشعار لکھے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کے بعد کسی دوسرے علم و فن کی طرف طالبعلمانہ توجہ نہ رہی ہو گی اور صرف بیس سال

کی عمر تک ہی تحصیل علم کا موقع ملا ہوگا۔ لیکن ایک طرف کلام کے دیکھنے سے غنیؔ کے ذی علم اور صاحب استعداد ہونے کا حال معلوم ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہ معلوم ہوکر اور بھی حیرت ہوتی ہے کہ جب کبھی شیخ محسن فانیؔ کو کوئی ایسا مشکل علمی مسئلہ پیش آتا کہ جس کو وہ خود حل نہ کر سکتے تو غنیؔ سے استفسار فرماتے اور غنیؔ اُس کو حل کر دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ غنیؔ جس طرح شاعری میں اپنے اُستاد سے بہت زیادہ بلند مقام پر پہنچ گئے تھے اسی طرح علم وفضل میں بھی رتبہ عالی رکھتے تھے۔ حاجی محی الدین مسکینؔ اپنی کتاب ''تحائف الابرار فی ذکر الاخیار'' میں غنیؔ کے بھائی محمد زمان نافعؔ کی نسبت لکھتے ہیں کہ ''آداب طریقت باطنی از برادر خود ملا طاہر غنی حاصل نمود بودہ''۔ اس سے ثابت ہوا کہ غنیؔ اہل باطن اور صاحب ارشاد بزرگ تھے اور سلوک و طریقت میں اُن کو مرتبہ بلند حاصل تھا کیونکہ ان کے بھائی محمد زمان شاعری میں تو محسن فانیؔ کے شاگرد تھے لیکن تصوف و طریقت میں غنیؔ کے مرید ہوئے۔ حالانکہ محسن فانیؔ لوگوں کو مرید بھی کرتے تھے۔ یہ تحقیق نہیں ہوسکا کہ غنیؔ محسن فانیؔ کے مرید تھے یا کسی دوسرے بزرگ کے۔ ہاں شاعری اور علوم ظاہری میں ضرور فانیؔ کے شاگرد تھے۔ غنیؔ کی پیدائش سے اُن کی وفات تک کے زمانہ میں کشمیر فارسی شاعری کے لئے سب سے بہتر اور بے نظیر مقام تھا۔ اُس زمانہ کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے کشمیر کے صوبہ داروں کی

فہرست پر بھی نظر ڈال لینی چاہئے۔

۱۰۴۲ھ میں فارسی شاعری کا مشہور مربی احسن اللہ خاں المخاطب بہ ظفر خاں احسنؔ تخلص اپنے باپ خواجہ ابوالحسن وزیر اعظم کی وفات پر حاکم کشمیر مقرر ہو کر آیا تو مرزا محمد علی صائبؔ اصفہانی کو بھی ہمراہ لایا۔ صائبؔ چند روز بعد ایران چلا گیا۔ ظفر خاں کے کلام کا نمونہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ ظفر خاں آٹھ نو سال تک کشمیر کا حاکم رہا۔

۱۰۵۰ھ کے آخر میں ظفر خاں کشمیر کی صوبہ داری سے تبدیل ہوا اور اُس کی جگہ شہزادہ مراد بخش حاکم کشمیر مقرر ہوا۔

۱۰۵۲ھ کے شروع میں مراد بخش کشمیر سے رخصت ہوا اور اُس کی جگہ علی مردان خاں ناظم کشمیر مقرر ہو کر آیا۔

۱۰۵۳ء میں علی مردان خاں کشمیر سے علیحدہ ہوا۔ اُس کی جگہ ظفر خاں دوبارہ ناظم کشمیر مقرر ہوا۔ شاہجہان کشمیر کی سیر کو آیا۔ ملک الشعراء ابو طالب کلیم بھی بادشاہ کے ہمراہ تھا۔ پادشاہ تو چند روزہ قیام کے بعد واپس چلا آیا کلیم شاہجہان سے اجازت اور پنشن لے کر وہیں رہ پڑا۔ ظفر خاں اس مرتبہ چار پانچ سال حاکم کشمیر رہا۔

۱۰۵۵ھ میں شاہجہان دوبارہ کشمیر گیا تو کلیم نے دوسو اشرفیاں معہ خلعت ایک قصیدے کے صلے میں پائیں۔

١٠٥٧ھ میں ظفر خاں کشمیر سے جدا ہوا۔ اُس کی جگہ تربیت خاں پدر سیف خاں ناظم کشمیر مقرر ہوا۔ تربیت خاں نیک اندیش و خیر خواہِ ملک تھا لیکن اُس کے زمانہ میں کشمیر پر قحط کا سخت حملہ ہوا۔

١٠٥٩ھ میں تربیت خاں کشمیر سے جدا ہوا۔ اُس کی جگہ حسن بیگ خاں حاکم کشمیر مقرر ہوا۔

١٠٦١ھ میں حسن بیگ خاں کشمیر سے جدا ہوا۔ اُس کی جگہ علی مردان خاں دوبارہ حکومت کشمیر پر مامور ہوا۔ اسی سال کلیمؔ نے کشمیر میں وفات پائی۔ اسی سال شاہجہان پھر کشمیر آیا تو ایک کشمیری شاعر فروغیؔ قصیدہ لیکر پادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور ہزار روپیہ انعام لیکر اور بارہ روپیہ انعام یومیہ روزینہ بھی مقرر کرا کر واپس ہوا۔

١٠٦٨ھ میں علی مردان خاں کشمیر سے رخصت اور اُس کی جگہ اعتماد خاں ناظم کشمیر مقرر ہوا۔ اسی سال شاہجہان سلطنت ہند سے دست بردار ہوا۔ اسی سال شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کشمیر آئے۔

١٠٧١ھ میں ابراہیم خاں پسر علی مردان خاں ناظم کشمیر مقرر ہوا۔

١٠٧٣ھ میں اسلام خاں حاکم کشمیر مقرر ہوا۔ اسلام خاں پکا مسلمان اور اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا۔ اصل نام ضیاء الدین تھا۔ زہد و اتقا کے سبب پادشاہ نے اسلام خاں کا خطاب دیا تھا۔ اسلام خاں غنیؔ کی بڑی قدر کرتا اور

ہمیشہ غنیؔ کی ملاقات کا مشتاق رہتا۔ اسلام خاں نے اپنے مختصر زمانہ حکومت میں کشمیر کے اندر عالیشان مساجد اور مصرف خیر کی بہت سی یادگاریں چھوڑیں۔ جن میں کشمیر کا مشہور شہر اسلام آباد بھی شامل ہے۔ اسلام خاں نے آگرہ میں وفات پائی تھی۔

۱۰۷۶ھ میں سیف خاں پسر تربیت خاں ناظم کشمیر مقرر ہوا۔ اسی سیف خاں کے زمانہ میں غنیؔ نے وفات پائی۔

مذکورہ بالا تمام ناظمان کشمیر جو غنیؔ کی زندگی میں یکے بعد دیگرے کشمیر میں حکمران رہے، شاعری اور شاعروں کے بے حد قدردان تھے۔ مجالس مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔ شاعروں کا عزت و تکریم کے ساتھ استقبال کرتے۔ خود بھی شعر کہتے اور سُناتے تھے۔ شاعروں اور امیروں کے مکان پر بھی طرحی مشاعروں کی مجلسیں گرم ہوتی تھیں۔ اوپر کلیم و فروغی کا حال بیان ہو چکا ہے۔ شعراء پر ہر طرف سے مال و دولت کی بارشیں ہوتی تھیں اور وہ بڑی فارغ البالی و ثروت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُس زمانہ کے کشمیر میں فارسی شعراء کی کمی نہ تھی۔ ابو طالب کلیم مرتے دم تک یعنی مسلسل چھ برس کشمیر میں رہا۔ اس ملک الشعراء کی وجہ سے مجالس سخن میں اور بھی جان پڑ گئی تھی۔ کلیم کے علاوہ جو قابل تذکرہ شعراء اُس زمانہ کے کشمیر میں موجود تھے اُن کی فہرست اس طرح ہے۔

(۱) محمد قلی سلیم: اسلام خاں کا مصاحب خاص۔ کلام کا نمونہ اوپر گزر چکا ہے۔

(۲) عنایت خاں آشنا: آشنا تخلص پسر ظفر خاں صوبہ دار کشمیر۔ غنیؔ کا ہمعصر و ہم مشرب تھا۔ شاہی دربار میں منصب عالی اور خصوصی تقرب رکھتا تھا۔ اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا۔ کلام کا نمونہ اوپر گزر چکا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عالمگیرؒ نے سرمدؔ کا حال معلوم کرنے کیلئے آشنا کو اس لئے بھیجا کہ آشنا خود اعلیٰ درجہ کا صوفی مشرب اور اہل دل عالم تھا۔ آشنا نے سرمدؔ کو دیکھا تو لباس ظاہری اور کمالات باطنی سے عاری پا کر پادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است

کشفے کہ ظاہر است از و کشف عورت است

یعنی: ننگے سرمد پر تو کرامت تہمت ہے، جس کشف کا اظہار وہ کرتا وہ اسکی شرمگاہ کا ظاہر کرنا ہے۔ (سرمد کی برہنگی پر طنز)

۱۰۷۳ھ میں جب ظفر خاں کا انتقال ہو گیا تو عنایت خاں نے تمام منصب و مرتبہ و جاگیر چھوڑ کر پادشاہ سے اجازت حاصل کی اور کشمیر آ کر فقیرانہ زندگی اور گوشہ نشینی اختیار کی۔ حتیٰ کہ ۱۰۷۵ھ میں فوت ہو گیا۔

(۳) مولانا ذہنیؔ: نہایت متقی و پارسا شخص تھے۔ فن سخن میں پایۂ عالی رکھتے تھے

یار پیغمبر نشاید برگزیدن جُز چہار

حجتِ آں بشنو از ذہنیؔ کہ باشد یادگار

از ملائک و ز کتب جز چار نگزید ست حق

کیں عدد مستحسن است از روئے معنی در شمار

نہر خلد و رکن کعبہ اصل طبع و فصل سال

بیں چہار ست و چہار ست و چہار ست و چہار

یعنی: پیغمبرؐ کے دوستوں میں سے چار کو منتخب جاننا چاہئے۔ اسکی دلیل ذہنیؔ سے سنو تا کہ یادگار رہے۔ ملائکہ اور آسمانی کتب خدا نے چار سے زیادہ بیاں نہ کیے۔ یہ عدد (یعنی چار) اچھا ہے معنی کے رو سے شمار کرنے میں۔ جنت کی نہریں، کعبہ کے رکن، طبیعت کے اصل اور سال کے موسم دیکھ لو چار ہیں چار ہیں چار ہیں چار ہیں۔

(۴) اوجی کشمیری: زبردست شاعر اور صوبہ داران کشمیر کا روشناس یعنی ذی عزت شخص تھا، نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

بر ہر کہ بستۂ خم فتراک او بود

دانم یقین کہ روز جزا سر خسرو بود

از بس خیال تو بدلم جائگیر شد

آہے کہ سر زند ز دلم مشکبو بود

یعنی: ہر کوئی جو کہ اسکی رسی سے بندھا ہوا ہے میں یقین سے جانتا ہوں کہ قیامت کے دن وہ کامیاب ہے۔ اس وجہ سے کہ تمہارے خیال نے میرے دل میں جگہ بنائی

ہے۔میرے دل سے جو آہ بھی نکلتی ہے وہ معطر ہوتی ہے۔

(۵) حاجی محمد جان قدسی مشہدی: طالب کلیم کی طرح عمر کا آخری حصہ کشمیر میں گزارا، وہیں فوت و مدفون ہوئے۔فرماتے ہیں ۔

رہِ فقر از رہِ کشمیر پیدا ست
کہ گام اول او ترک دنیا ست
ازیں راہ چوں تواں آساں گزستن
کہ گام اول ست از جاں گزشتن

یعنی: درویشی کی راہ کشمیر کے راستے سے پیدا ہے۔کہ وہاں جانے کے لئے پہلا قدم ترکِ دنیا سے اٹھتا ہیں (کہ کشمیر دنیا سے ایک الگ تھلگ مقام ہے) اس راہ سے آسانی سے گذرنا کیسے ہوسکتا ہے، کہ اس کی اور پہلا قدم اٹھانا مانو جیسے زندگی سے گذرنا ہے۔

(۶) طغرائی مشہدی: سخن وری وانشا پردازی میں بینظیر تھا۔مرزا ابو القاسم کی ترغیب سے کشمیر آیا۔ایک دُکان میں مستانہ وار پڑا رہتا تھا۔یہیں فوت ہوکر کشمیر کے قبرستان مزارالشعراء میں مدفون ہوا۔

(۷) مولانا فصیحی: صاحب دیوان۔نمونہ کلام ملاحظہ ہو ۔

آشفتہ تراز ماست لبسے انجمن ما
بے نور شود شمع طرب از لگن ما
بر ناصیۂ غنچۂ ما نقش طرب نیست

شرمندہ بروں رفتہ نسیم از چمن ما

نشگفتہ بماندیم بگلزار شہادت

پاشید مگر گرد غمے در کفن ما

از سوختن مانشود ہیچ تسلی

خود برسر لطف آمدہ پیمان شکن ما

یعنی: میرے تعلق کی وجہ سے عیش کی شمع گل ہو جائیگی میرے ماتھے پر عیش کی لکیریں نہیں ہے۔ میرے چمن سے صبح کی خوش آئندہ ہوا شرمندہ ہوکر باہر نکل گئی۔ میں شہادت کے باغ میں بن کھلا ہی رہا شاید میرے کفن پر بھی غم کی خاک چھڑکی ہوئی ہے۔ میرے خود کے جلنے سے اُسے کچھ اطمینان نہ ہوا تو وہ میرا وعدہ شکن محبوب خود مجھ سے مہربانی کرنے آیا (یعنی جلانے آیا)۔

(۸) میر الٰہی: ایران کے سادات میں سے تھا۔ شاہجہان کے دربار میں مرتبہ تقرب واختصاص رکھتا تھا۔ جس وقت شاہجہان نے ظفر خاں کو کشمیر کی صوبہ داری پر مامور فرمایا تو سر دربار کہا کہ ظفر خاں سے ضمانت لینی چاہیئے کہ باشندگان کشمیر کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرے گا۔ میر الٰہی نے جو اُس وقت دربار میں موجود تھا بے ساختہ یہ مصرعہ پڑھا کہ ع

خدا ضامن رسول و چار یارش

یعنی: اسکے ضامن خدا، رسولؐ اور چہار یارؓ ہیں۔

پادشاہ سُن کر بہت خوش ہوا۔ ظفر خاں نے عرض کی کہ میر الٰہی کو میرے ہمراہ

کشمیر جانے کی اجازت دی جائے۔ پادشاہ نے منظور فرمایا۔ اس طرح میر الٰہی ظفر خاں کے ہمراہ کشمیر آیا اور کشمیر ہی میں فوت ہوا۔ غنی نے میر الٰہی کا قطعہ تاریخ وفات لکھا جو میر الٰہی کے رُتبہ سخنوری کی رفیع المکانی کیلئے ایک زبردست شہادت ہے۔ کتاب تذکرۃ الشعراء میر الٰہی کی تصنیف ہے۔ دو شعر بھی بطور نمونہ ملاحظہ ہوں ؎

چناں ارزاں متاع زندگی رامیدہم از کف
کہ گوئی کاروانِ عمر می آید زپس مارا

یعنی: میں اپنی زندگی کی پونجی یوں ہاتھ سے سستی لٹا رہا ہوں گویا کہ عمر کا کارواں میرے پیچھے آرہا ہو یعنی گویا عمر بہت دراز ہوگی۔

یا الٰہی از الٰہی تو چہ پرسی در حشر
آنچہ او کرد تو دیدی وچہ گفتن دارد

یعنی: اے خدا! الٰہی سے قیامت کے دن کیا پوچھو گے۔ جو کچھ اس نے عمل کیا تم نے سب دیکھ لیا تو کہنے کی کیا حاجت ہے۔

(۹) مرزا ابوطب کلیم: نمونہ کلام اوپر گزر چکا ہے۔ آئندہ بھی ذکر آئیگا۔

(۱۰) مولانا فہمیؔ: فہم و فراست بدرجہ کمال رکھتا تھا۔ مشاعروں میں ذہنیؔ اور فصیحیؔ سے اس کا مقابلہ رہتا تھا۔ رباعی ؎

فکرِ سرِ زلفِ تو مرا بے سر وپا کرد
اندیشۂ پابوس توام پشت دوتا کرد
گفتم کہ بوصل تورسم گر بُودم عمر
نے وصل میسر شد و نے عمر وفا کرد

یعنی: تمہارے گیسوؤں کے خیال نے مجھے بے سروپا کردیا۔ تمہارے پاؤں چومنے کی خواہش نے میرے کمر کو جھکا دیا۔ میں نے کہا کہ تمہارے ساتھ ملوں گا اگر زندگی رہی۔ نہ تو تمہارا ملن حاصل ہوا نہ تو زندگی نے وفا کی (دونوں سے محروم ہوا)۔

(۱۱) مولانا محمد صالح ندیم کشمیری: ذہنیؔ کا شاگرد اور بدیہہ گوئی میں کمال رکھتا تھا۔ نمونہ کلام۔

از چشم فتنہ بارت صد جور یک اشارت
آرے برائے غارت ترک او ستاد باشد
از نفس و خصلت او دل کن ندیم یکسو
باور مکن کہ بدخو نیکو نہاد باشد

یعنی: تمہاری فتنہ برپا کرنے والی آنکھوں کا ایک اشارہ سو ظلموں کے برابر ہے، ہائے ہائے تباہی مچانے میں تو ترک استاد ثابت ہوا۔ اسکے اطوار اور سرشت نفس سے اے ندیم اپنے دل کو بے پروا کر یہ کبھی نہ مان کہ جس شخص کی صلت ہی خراب ہو وہ کبھی نیک اطوار بن سکتا ہے۔

(۱۲) بدیعیؔ: اعیان کشمیر میں شمار ہوتا تھا۔ تاریخ بدیعی کا مصنف ہے۔

کم دہ شراب وصل کہ پُر شد ایاغ ما

روغن چناں مریز کہ میرد چراغ ما

یعنی: وصل کی شراب کم دے کہ میرا پیالہ پُر ہو چکا ہے۔ اتنا زیادہ گھی نہ ڈال کہ میرا چراغ ہی بجھ جائے (یعنی کثرت شراب نوشی سے مرہی جاؤں۔)

(۱۳) خواجہ ہاشم: منصب داران کشمیر میں شمار ہوتا تھا۔ رباعی۔

یک ذرّہ اختیار در دستِ تو نیست

لیکن معقول فطرتِ پست تو نیست

تدبیر چو کعبتین و تقدیر چو نقش

در دست تو ہست لیک در دست تو نیست

یعنی: تمہارے ہاتھ ذرّہ برابر بھی اختیار نہیں ہے۔ لیکن تمہاری پست فطرت یہ باور نہیں کر پاتی ہے۔ تدبیر ہتھیلی جیسی اور تقدیر اس پر موجود لکیریں ہیں جو تمہارے ہاتھ میں ہو کر بھی تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

(۱۴) قاضی محمد عارف بن قاضی ابوالقاسم بن مولانا جمال الدین سیالکوٹی۔

خواہم کہ ازیں نشیب و پستی برہم

وز ننگ خودی و خود پرستی برہم

یک جرعہ جام نیستی نوش کنم

از کشمکش خمار ہستی برھم

یعنی: چاہتا کہ اس بلندی اور پستی کے چکر سے نکل جاؤں اور خودی اور خود پرستی کی

ذلت سے رہا ہو جاؤں۔ فنا کے جام سے ایک گھونٹ پیئوں اور اس وجود وزندگی کی کشمکش کے سر درد سے آزاد ہو جاؤں۔

(۱۵) محمد رفیع نام منشی تخلص: حکام کشمیر کا میر منشی یا پیشکار عدالت تھا۔ فن سخن میں مرتبہ عالی رکھتا تھا۔ ایک دوست کا گھر جل گیا تھا۔ اس خبر کو سن کر منشی نے یہ چند شعر لکھ کر بھیجے۔

از سوزِ خاطرِ تو وجودم بہ پیچ و تاب
آنجا فتاد آتش و اینجا شدم کباب

یعنی: تمہاری پریشانی کی جلن سے میرا وجود تڑپ رہا ہے۔ آگ وہاں لگی اور میں یہاں جل بُھن گیا۔

وقتیکہ شعلہ از در و بامِ تو سر کشید
کس آگہی نداد بایں دیدۂ پر آب

یعنی: جس وقت تمہارے چھت اور دروازے سے شعلہ بلند ہوا۔ غم میں میری ان روتی ہوآنکھوں کی کسی نے خبر نہ دی۔

سر چشمہ زیر ہر مژۂ من ذخیرہ بود
از یک نگاہ خانہ آتش شدے خراب

یعنی: چشموں کا منبع میری دو پلکوں کے نیچے موجود تھا، اس اک آگ کی وجہ سے ابل پڑے یعنی آنسوؤں کی صورت میں رواں ہوئے۔

تا ایں خبر رسید بگوشم ز سوز دل

یک دم نگشت دیدۂ من آشنا بخواب

یعنی: جوں ہی میرے کانوں میں یہ خبر پہنچی تو دل تپش کی وجہ سے رات بھر میری آنکھیں نہ سو سکی۔

از سر نوشت ہیچ کسے را گریز نیست

ایں حرف انتخاب نمودم ز صد کتاب

یعنی: قسمت کے لکھے سے کوئی بھاگ نہیں سکتا ہے۔ یہ بات میں نے سو کتابوں سے انتخاب کی ہے۔

ہر دم کہ عیش تلخ نماید سپردوں

بربام کار شعلہ کند نور ماہتاب

یعنی: جس گھڑی تقدیر راحت کو سختی اور تلخی میں بدل دینا چاہے تو چھت پر بکھری ہوئی چاندنی آگ کے شعلوں کا کام کرتی ہے۔

باید ملال راندہی رہ بصحنِ دل

آخر کند تلافی آتش ابو تراب

یعنی: چاہیئے کہ غم کو اپنے دل میں گھسنے کا موقع نہ دیا جائے۔ بالآخر اس آگ کی تلافی ابوتراب (حضرت علیؓ) (اپنی مہربانیوں) سے فرمائیں گے۔

(۱۶) غلام رسول استغنا کشمیری:

فلک چرا کمرِ احتساب می نبدو

سزائے بادہ پرستاں خمار خواہد بود

یعنی: آسماں کس لئے حساب کا کمر باندھ رہا ہے۔ شراب پینے والوں کی سزا تو سر کا بھاری پن ہی ہوگا۔

(۱۷) **خواجہ ضیاء الدین دیوانی پسر خواجہ ہاشم:** نظم، ونثر میں باپ پر فائق تھا۔

مردم بجنوں زیکد گرد پیش اند
خود را بہتر ز غیر خود اندیشند

یعنی: لوگ تو پاگل پن میں ایک دوسرے سے آگے ہیں کہ اپنے آپ کو دوسرے شخص سے اچھا خیال کرتے ہیں۔

(۱۸) **محمد زمان نافع** برادر مولانا محمد طاہر غنی شاگرد ملا محسن فانی: فن سخن میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

مگیر لذت دنیائے شور و شر زدہ را
مزاج زہر بود نعمت نظر زدہ را

یعنی: اس خراب اور ہنگامے والی دنیا کی لذت میں نہ پڑ۔ بری نظر کے شکار شخص کی نعمت میں بھی زہر کی تاثیر موجود ہوتی ہے۔

یہ اور ان کے علاوہ اور بہت سے شاعر کشمیر میں موجود تھے۔ طرحی مشاعروں کی مجلسیں زور شور سے گرم ہوتی تھیں۔ کشمیر کی آب و ہوا فطری طور پر شاعری کے لئے موزوں ہے۔ اس زمانہ میں تو کشمیر کے ہر در و دیوار سے شاعری ٹپکی پڑتی تھی۔ غنیؔ جیسے ذہین وطباع نوجوان کا شاعری کی طرف

ملتفت ہو جانا بالکل بیساختہ امر تھا۔ چنانچہ غنیؔ نے ۱۰۶۰ھ میں شاعری شروع کی اور ۱۰۶۱ھ میں کلیم نے کشمیر میں وفات پائی۔ غنیؔ نے قطعہ تاریخ وفات لکھا۔

حیف کز دیوار ایں گلشن پرید

طالبا آں بلبل باغ نعیم

یعنی: افسوس اس باغ کے دیوار سے وہ جنت کے باغ کا پرندہ طالب اُڑ گیا۔

رفت و آخر خامہ را از دست دوا

بے عصا طے کرد این رہ را کلیم

یعنی: چلا گیا اور آخر اپنے ہاتھ سے قلم بھی رکھ دیا، اس راستے (یعنی موت) کو کلیم نے لاٹھی (یعنی قلم) کے بغیر ہی طے کیا۔ (قلم ہی دنیا میں اس کی لاٹھی تھا جسکے سہارے اس نے سفر حیات طے کیا)

اشک حسرت چوں نمی ریزد قلم

شد سخن از مردن طالب یتیم

یعنی: قلم آخر حسرت کے آنسوں کیوں نہ بہائے کہ سخن گوئی تو کلیم کی وفات سے یتیم ہوگئی۔

ہر دم از شوقش دل اہل سخن

چوں زبان خامہ میگردو دونیم

یعنی: اہل سخن کے دل اس کی محبت اور اسکے اشتیاق میں قلم کی نوک کی طرح دوٹکڑے ہو گئے ہیں۔

عمرہا در یادِ او زیرِ زمیں
خاک برسر کرد قدسی و سلیم

یعنی: ایک مدت تک اسکی یاد میں قدسیؔ اور سلیمؔ زمین کے اندر (یعنی قبر میں) (دوری کے) غم اپنے سروں پر خاک ڈالتے رہے۔

عاقبت از اشتیاق یک دگر
گشتہ اند ایں ہر سہ در یکجا بقیم

یعنی: آخر کار ایک دوسرے کے اشتیاق کی وجہ سے یہ تینوں ایک جگہ مقیم ہوئے (یعنی ایک ہی مقبرہ (مزار شعراء کشمیر) میں دفن ہوئے۔

گفت تاریخ وفات او غنی
طور معنی بود روشن از کلیم

یعنی: غنی نے اس کی تاریخ وفات کہی معنی کا طور کلیم سے روشن تھا۔

اس قطعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ صرف ایک سال کی مشق کے بعد غنیؔ کا کلام کس پایہ کا تھا اور ذہن و ذکاوت میں اُن کو کیا مرتبہ حاصل تھا۔

۱۰۶۱ھ میں میر الٰہی شاعر نے وفات پائی تو غنیؔ نے قطعہ تاریخ وفات لکھا۔

نیست دور از اثر صحبت او

کہ لب گور در آید بہ سخن

یعنی: اسکی صحبت کے اثر سے یہ کچھ بعید نہیں کہ قبر کا دہانا بھی شعر گوئی کرے۔

برسرِ خاکِ وے ارباب زماں

جامہ پوشیدہ سیہ چوں سوسن

یعنی: اسکی قبر پر وقت کے اہل کمال نے سوسن کی طرح کالے لباس بطور ماتمن لئے۔

گفت تاریخ وفاتش طاہر

بُرد الٰہی ز جہاں گوئے سخن

یعنی: اسکے مرنے کی تاریخ طاہر نے کہی الہی نے دنیا سے سخن گوئی کی بازی جیت کر چلا گیا۔ یعنی میر الٰہی پر سخنوری تمام ہوئی۔

مرزا صائب نے جب اصفہان میں غنؔی کا کلام سُنا تو بے اختیار غنؔی کی ملاقات کیلئے اصفہان سے چل کر دوبارہ کشمیر آیا۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ صائبؔ نے جب غنی کا یہ شعر سُنا کہ۔

موئے میان تو، شدہ کرالپن

کرد جدا کاسہ سرہا ز تن

یعنی تمہاری پتلی کمر نے کرالہ پن کی صورت اختیار کر کے جسموں سے سروں کے پیالے جدا کر دئے۔ (کرالہ پن یعنی کمہار کا وہ دھاگا جس سے وہ اپنی چکی کے اوپر سے مٹی کے بنے برتن کو الگ کرتا ہے)

تو لفظ کرالپن کے معنی دریافت کرنے کیلئے غنی کے پاس کشمیر آیا۔ غنی نے صائب کو بتایا کہ ''کرالپن نام رشتہ ایست کہ کوزہ گراں کاسہ راز چرخ جدا میسازند''۔ وہ بھی کیا زمانہ تھا کہ ایران کا ملک الشعراء صائبؔ جو ایک مرتبہ کشمیر کے پُر جاہ وجلال فرمانروا فاتح تبت ظفر خاں کا ندیم خاص اور عزیز مہمان ہونے کی حیثیت سے کشمیر میں رہ چکا تھا۔ اب دوبارہ صرف ایک لفظ کی تحقیق اور غنی کی ملاقات کیلئے اصفہان سے کشمیر تک کا سفر اختیار کرتا اور ایک زاہد و درویشانہ زندگی بسر کرنے والے شخص یعنی غنی کا مہمان ہوتا ہے۔

میر حسین دوست سنبھلی کے بیان کے موافق جب صائب غنی کی ملاقات کیلئے کشمیر آیا تو غنی کا کلام ایک لاکھ اشعار سے زیادہ تھا۔ جس کا منتخب غنی نے صائب کی خدمت میں پیش کیا۔ صائب نے جب یہ شعر پڑھا کہ ؎

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر

دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

یعنی: اس تازہ حسن نے سبزہ خط یعنی چہرہ کے خط کی تازگی کی وجہ سے مجھے گرفتار کیا یعنی میں اس کے جوان حسن پر فریفتہ ہوا۔ گویا جال زمین کے ہمرنگ تھا اور میں پھنس گیا۔

تو بے اختیار بول اٹھا کہ ''کاش اینہمہ کہ در تمام عمر خود گفتہ ام بغنی می بخشید ند وایں یک بیت حوالہ بمن میکردند''۔

ایک مرتبہ صائب کہیں سیر کو گیا تھا۔ اُس کی بیاض پڑی ہوئی تھی۔

ایک ارادتمند غنی کی خدمت میں حاضر ہوا اور صائب کی بیاض اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ اُس میں دیکھا کہ ایک شعر کا پہلا مصرعہ چاقو سے چھیلا ہوا ہے۔ دوسرا مصرعہ اس طرح ہے۔ ع

کہ از لباس تو بوئے کباب می آید

یعنی: کہ تمہارے لباس سے کباب کی بو آرہی ہے۔

مولانا غنی کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کا پہلا مصرعہ کیا ہونا چاہئے؟ غنی نے بیساختہ فرمایا کہ ۔

کدام سوختہ جاں دست زد بدامانت
کہ از لباس تو بوے کباب می آید

یعنی: کس دل جلے نے تمہارا دامن اپنے ہاتھ سے پکڑا تھا کہ تمہارے لباس سے کباب کی بو آرہی ہے۔

اُس شخص نے بلا تکلف یہ مصرعہ بیاض میں لکھ دیا۔ جب صائب واپس آیا اور مصرعہ دیکھ کر اصل واقعہ سے آگاہ ہوا تو کہا کہ "کاش کہ صائب دیوان یک مصرعہ می نگاشتے و تظمینش ملا غنی می کردے"۔

یہ بات اب بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ غنی کے لئے اگر وہ مال و دولت اور دنیوی جاہ و حشم کو اپنی خودداری کے عوض خریدنا چاہتے تو میدان نہایت وسیع تھا۔ وہ بلا تامل درباروں اور سرکاروں میں رسائی حاصل

کر سکتے اور دولتمند بن سکتے تھے۔ لیکن اُنھوں نے اپنے تخلص غنی کی رعایت سے تمام عمر اپنے آپ کو ارباب دولت وحکومت سے بے نیاز رکھا۔ محمد بدیع الزماں نصیر آبادی اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ ''ملا محمد طاہر در تحصیل علوم سعی نمودہ باوجود حداثت سن در کمال بے تعلقی بودہ چشم برز خازف دنیا کہ در نظر عارف قدر برگ کاہی ندارد نکشودہ بعلت آں غنی معنوی ہم بودہ چنانکہ خود گفتہ۔

سعی روزے برنی وارد مرا از جائے خویش
آبرو چوں شمع میر یزم دلے برپائے خویش

یعنی: ملا محمد طاہر نے علوم حاصل کرنے میں جدوجہد کی۔ نوجوانی کے باوجود کمال بے تعلقی سے دنیا کی دلکشی پر جو کہ عارف کی نظر میں گھاس کے ایک تنکے کی وقعت نہ رکھتی ہیں آنکھیں نہ ڈالیں (مائل نہ ہوئے) اس وجہ سے معنوی طور پر غنی ہی تھے۔ چنانچہ خود کہا ہے۔

رزق کی جستجو مجھے اپنی جگہ سے نہ اٹھا سکی۔ میں نے شمع کی مانند اپنی آبرو لٹائی لیکن اپنے ہی پاؤں پر (جیسے شمع نیچے کی اور ہی جلتا ہے)

مرزا محمد افضل فرماتے ہیں کہ ''می گویند تخلص خود را صفت ذات خویش ساختہ یعنی در بے دستگاہی بکمال جمعیت می گذارند''۔ غنی پیدائشی طور پر اپنا دل غنی لے کر آئے تھے۔ وہ عرفان اور خداشناسی کے اُس بلند مقام پر تھے جہاں سے دنیوی جاہ وحشم اور دنیا والوں کے خیل وخدم پر پشہ سے زیادہ

بے حقیقت نظر آتے ہیں۔ ایک طرف کلیم و صائب کو دیکھئے کہ ایران سے
ہندوستان کا احرام باندھ کر آتے اور امراء کی ڈیوڑھیوں پر قصیدہ خوانی
کرنے کے بعد دربار شاہی تک رسائی پاتے ہیں۔ دوسری طرف غنی کی
حالت کو دیکھو کہ کمال سخنوری میں اپنے ہمعصروں پر فضیلت رکھتے ہیں۔
جوانی کا عالم ہے جس میں ہر قسم کی آرزوئیں اور جاہ و جلال کی تمنا ہو سکتی ہے
مگر وہ کسی پادشاہ یا امیر کی مدح سرائی کو ذلت سمجھتے اور اپنی بیدستگاہی و افلاس
کی ایسی زندگی کو جس میں آزادی و بے نیازی برقرار رہے، شاہی مقاربت
و مصاحبت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر عجیب بات سُنو کہ شہنشاہ
ہند حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ غنی کا کلام سُنتے اور اُن کے کمالات سے
واقف ہو کر مشتاق ملاقات ہوتے اور اپنے وایسرائے یعنی حاکم کشمیر سیف
خاں کو لکھتے ہیں کہ ملا محمد طاہر غنی کو عزت و احترام کے ساتھ ہماری خدمت
میں دہلی کی طرف روانہ کر دو۔ سیف خاں غنی کو اپنے پاس بُلا کر خوشخبری سُناتا
ہے کہ شہنشاہ ہند نے آپ کو یاد کیا ہے۔ غنی جانے سے انکار کرتے اور کہتے
ہیں کہ پادشاہ کو لکھ دو کہ غنی دیوانہ ہو گیا ہے۔ سیف خاں کہتا ہے کہ میں بھلا
عاقل و فرزانہ کو دیوانہ کیسے کہہ سکتا ہوں۔ غنی اُسی وقت کپڑے پھاڑ کر
دیوانوں کی طرح سیف خاں کے دربار سے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور
تیسرے دن فوت ہو جاتے ہیں۔ مشاہیر کشمیر میں غنی کے متعلق ایک دلچسپ

حکایت لکھی ہے کہ انہوں نے اپنے رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا حجرہ بنا رکھا تھا۔ وہیں بیٹھ کر فکرِ سخن فرماتے تھے۔ ایک روز کوئی دوست ملاقات کو آئے تو حجرے کے دروازے کھلے پائے مگر غنی کہیں نظر نہ آئے۔ چنانچہ ناکام واپس چلے آئے۔ دوسری مرتبہ پھر وہی دوست آئے تو حجرے کے دروازے بند پائے۔ دستک دی۔ غنی نے دروازہ کھولا اور دوست کو خوش آمدید کہا۔ اُنہوں نے حیرت کے ساتھ استفسار کیا کہ میں ایک مرتبہ پہلے آیا تھا تو آپ نہ تھے اور کواڑ کھلے ہوئے تھے۔ اب آپ موجود ہیں اور کواڑ بند تھے۔ غنی نے جواب دیا کہ متاعِ دُکان تو میں ہی ہوں جب میں نہ ہوں تو دروازہ بند کرنا بے سود۔ اب جبکہ میں موجود تھا تو دروازہ بند ہونا ضروری تھا۔ شمع انجمن کے اس فقرہ سے کہ "مدۃ العمر در شہر خود گرزانید"۔ معلوم ہوتا ہے کہ غنی نے کبھی کوئی سفر نہیں کیا۔ غنی کی وفات کے وقت محسن فانی زندہ تھے۔ اُن کے دل پر اس زبردست اور باعث فخر شاگرد کی جوانمرگی کا جو اثر ہوا ہوگا اُس کو عبارت میں کون بیان کرسکتا ہے۔ مرزا جعفر معمائی کے متبنیٰ اور میرزا محمد افضل سرخوش کے اُستاد محمد علی ماہر نے یہ قطعہ لکھا ؎

چو وادش فیض صحبت شیخ کامل محسن فانی
غنی سر حلقۂ اصحاب او در نکتہ دانی شد

یعنی: جب شیخ کامل محسن فانی نے اپنی صحبت سے فیضیاب کیا تو غنی نکتہ دانی اور شعر گوئی

میں اس کے سب شاگردوں کے سرحلقہ بن گئے یعنی سب سے فائق اور برگزیدہ ہوئے۔

تہی چوں کرد بزم شیخ زا گفتند تار تخش

کہ آگاہی سوئے داربقا از دار فانی شد

یعنی: جب اس نے شیخ (محسن فانی) کی مجلس کو خالی کیا (اپنی وفات سے) تو اس کی تاریخ انتقال کہی گئی کہ باخبر (صاحب ہوش) اس ناپائیدار دنیا سے ابدی دنیا کی اور چلا گیا۔

ظفر خاں ناظم کشمیر کے بیٹے عنایت خاں کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ عنایت خاں آشنا چونکہ تارک الدنیا ہوچکا تھا لہٰذا غنی اور آشنا کی اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ ایک روز عنایت خاں نے اپنی مجلس میں کہا کہ جو شعر ایک مرتبہ پڑھنے یا سُننے سے میری سمجھ میں نہ آئے وہ مہم ہے۔ غنی نے عنایت خاں کا یہ دعویٰ سُنا تو بہت ناپسند کیا اور فرمایا کہ میں اب تک یہی سمجھتا تھا کہ عنایت خاں شعر کو سمجھ سکتا ہے لیکن آج معلوم ہوا کہ وہ شعر فہمی سے عاری ہے۔ اس کے بعد کبھی عنایت خاں سے ملاقات نہیں کی۔ غنی جس طرح اپنے دوستوں کے بیجا دعووں اور لن ترانیوں کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اسی طرح وہ امیروں اور پادشاہوں کو جن کے اردگرد ہمیشہ خوشامدی لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ کبریائی کے کلمات بولتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ آزادی وحریت کا دلدادہ اور اُس زمانہ کی دنیا کا ایک عجیب وغریب قوی

القلب انسان کبھی کسی پادشاہ کے دربار میں اپنے ضمیر کا خون کرنے کے لئے نہیں گیا اور اس شیر بیشۂ خودداری نے کسی امیر کبیر کے جاہ و جلال اور دولت و مال سے مرعوب ہو کر اپنا سر نہیں جُھکایا۔ میں آج مسرور و خوش دل ہوں کہ مجھ کو ایک ایسے شخص کے حالات فراہم کرنے اور اُس کے کلام پر نظر ڈالنے کا موقع ملا ہے جو اپنے ضمیر کے خلاف کچھ نہیں کرتا تھا۔ اور جس سے ملتا تھا صاف قلب اور پاک باطنی کے ساتھ ملتا تھا۔ اور میں خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ بڑے بڑے عالی جناب ملک الشعراء مگر اپنی ضمیر کا خون کرنے والے قصیدہ خواں، خوشامدی اور منافق شاعروں میں سے کسی کی سوانح عمری لکھنے میں میرا قلم آلودہ نہیں ہوا۔ صوبہ داران کشمیر میں اسلام خاں ایک سچا پکا مسلمان اور عابد و زاہد شخص تھا۔ اسی لئے غنی کو اسلام خاں سے کبھی ملنے میں کوئی باک و تامل نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ غنی جنہوں نے کبھی کسی پادشاہ یا صوبہ دار کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں لکھا تھا۔ اسلام خاں کے مرنے کی خبر سُن کر آبدیدہ ہو گئے اور یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا۔

حیف کز فوت قدوۂ امرا
بہ سپر داغ مشد نصیب سپاہ

یعنی: افسوس کہ امیروں کے سردار کی وفات سے لشکریوں کے سپر غم سے داغدار ہوئے (لشکر پر سپر جیسا غم کا داغ پڑا)

تا کند فتح ملک باقی را

رخت بیروں کشید زیں خرگاہ

یعنی: ابدی دنیا کو فتح کرنے کے غرض سے اس نے اس فانی دنیا سے اپنا رخت باہر نکالا (یعنی انتقال کیا)

دور زان آفتاب اوجِ کمال

مردمک شد ز گریہ ابر سیاہ

یعنی: اس کمال کے آسمان کا آفتاب دور ہوا (روپوش ہوا) آنکھوں کی پتلیاں رونے اور گریہ کرنے سے سیاہ ابر کے مانند ہوگئی۔

جستہ از بسکہ برق آہ از دل

خرمن ماہ ماند یک پرکاہ

یعنی: دل سے ایک آہ بجلی کی طرح نکل گئی اور روشن چاند کو گھاس کے ایک تنکے کے مانند بے وقعت کر دیا (یعنی روشن چاند کا نظارہ کرنے کے لئے دل مائل نہ رہا)

آنکہ داغ اند ماہ تا ماہی

ہمسر آزادہ دل گدا و شاہ

یعنی: اس غم کا داغ (آسمان پر موجود) چاند اور (پانی کے اندر) مچھلی یعنی سب پر رہا (یعنی سب غمگین ہوئے) سب کا دل کیا بھکاری کیا بادشاہ غمزدہ ہوا۔

شد نفس نالہ در گلو ما را

ہمچو نے زیں مصیبتِ جاں کاہ

یعنی: بانسری کے مانند میری سانس میرے گلے کے اندر فریاد بن کے رہ گئی۔ اس جان گھلانے والی مصیبت کی وجہ سے۔

جست زیں مصرعہ از زبانِ غنی

مرد اسلام خان والا جاہ

۱۰۷۴ھ

یعنی: زبان غنی سے اس مصرعہ سے تاریخ حاصل ہوئی۔ بڑی شان رکھنے والا اسلام خان گذر گیا۔

کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ ایسے غیور و خوددار شخص کی نسبت تاریخ جدولیہ میں یہ بے بنیاد اور سراسر خلاف واقعہ الزام لگایا گیا ہے کہ ۲۵ سنہ جلوس میں غنی نے شاہجہان کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا اور ہزار روپیہ انعام پایا۔ تاریخ جدولیہ کے اس سفید بلکہ سیاہ جھوٹ سے غنی کی روح کو جو صدمہ پہنچا ہوگا۔ میرا فرض ہے کہ اس جھوٹ کی حقیقت ظاہر کروں اور غنی کی روح کو راحت پہنچاؤں۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ۱۰۶۱ھ میں شاہجہان کشمیر گیا اور فروغی شاعر نے آستانہ شاہی پر حاضر ہو کر قصیدہ کے صلہ میں ایک ہزار روپیہ انعام پایا۔ ۱۰۶۱ھ مطابق ہی ۲۵ سنہ جلوس شاہجہانی کے تاریخ جدولیہ کے محرر نے فروغی کو غنی سمجھ لیا۔ ممکن ہے کہ فروغی کی جگہ غنی کا نام

ارادۃً نہ لکھا گیا ہو اور ممکن ہے کہ قصیدہ یا مثنوی کے صلے میں پادشاہ سے ہزار روپیہ حاصل کرنے کو کوئی بڑے کمال اور خوبی کی بات سمجھ کر غنی کے حال پر مہربانی کی گئی ہو۔ بہر حال حقیقت یہ ہے کہ غنی نے کبھی کسی پادشاہ کی شان میں کوئی قصیدہ نہیں لکھا اور کسی امیر سے کبھی کوئی امداد نہیں چاہی۔ غنی کے غنائے ذاتی اور دوسرے اخلاق فاضلہ کا حال اُن کے کلام سے بھی ہویدا ہے۔ غنی کے شاگرد مسلم نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور وہ بے حد سپاس و شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُنہوں نے غنی کی وفات کے بعد جس قدر اشعار مل سکے فراہم کئے اور غنی کا دیوان ترتیب دیا۔ جو آج کل چھپا ہوا بازاروں میں فروخت ہوتا اور ہر شخص کو دستیاب ہوسکتا ہے۔ سراج الدین علی خاں لکھتے ہیں کہ مرزا صائب نے دوسو اشعار غنی کے انتخاب کر کے ایک بیاض میں لکھے تھے۔ وہ بیاض آرزو کے زمانہ تک موجود تھی۔ میر حسین دوست سنبھلی نے غنی کو ''شاعر ماہر یکفنی'' لکھا ہے۔ مرزا محمد افضل سرخوش لکھتے ہیں ''ملا محمد طاہر غنی صاحب طبع عالی بود پایہ سخنوری را بدرجۂ کمال رسانیدہ از خطہ کشمیر بلکہ از اقلیم ہند ہمچو او خوش خیال نازکبند برنخواستہ و اکثر از معاصرین و متاخرین قایل بخوش کلامی او بودہ اند''۔ (۱)

---

(۱) مولوی غلام علی آزاد بلگرامی نے بھی یہی الفاظ ''سرو آزاد'' میں غنی کے متعلق لکھے ہیں۔

دیوان غنی پر ایک نظر

غنی کے کلام میں تغزل، مضمون آفرینی، فلسفہ، معاملہ، مثالیہ، جدت استعارات، ادائے بیان، زبان، اخلاق، تصوف وغیرہ سب کچھ ہے لیکن مثالیہ یعنی ایک دعویٰ کرنا اور قانون فطرت یا مناظر قدرت سے اُس کی دلیل پیش کرنا غنی کا خصوصی امتیاز ہے۔ مولانا شبلیؒ نے کلیم، سلیم، قدسی، صائب، غنی سب کو مثالیہ نگاری میں مشترک بتایا ہے۔ اگر مولانا ممدوح کے ارشاد کا یہ مفہوم سمجھا جائے کہ باقی چاروں شاعروں یعنی کلیم، سلیم، قدسی، صائب نے بھی مثالیہ لکھا ہے تو قابل تسلیم ہے۔ لیکن آگے چل کر مولانا فرماتے ہیں کہ کلیم نے اس صنف کو بہت ترقی دی۔ اس میں مجھ کو کلام ہے۔ کلیم، صائب، قدسی، غنی کے دیوان اس وقت میرے سامنے موجود ہیں۔ قدسی کا دیوان قلمی ہے باقی تینوں دیوان مطبوعہ ہیں۔ میں نے ان دواوین کو صرف مثالیہ کا مقابلہ کرنے کے لئے پُرغور نگاہ سے دیکھا ہے۔ میں اپنی ناچیز

قابلیت کے ذریعہ یہی فیصلہ کر چکا ہوں کہ کلیم اور غنی کے مثالیہ کو ایک اور سو کی نسبت ہے۔ کلیم کے دیوان میں تلاش کرنے سے بمشکل تھوڑے سے شعر ایسے مل سکتے ہیں جن میں صنف تمثیل یا مثالیہ موجود ہو اور غنی کے دیوان میں تلاش کرنے سے بہت تھوڑے شعر ایسے ملتے ہیں جن میں مثالیہ موجود نہ ہو۔ کلیم کے مثالیہ میں دعویٰ اور دلیل دونوں خیالی ہوتے ہیں یا دعویٰ مطابق عقل ہوتا ہے۔ دلیل شاعرانہ اور خیالی ہوتی ہے۔ غنی کا دعویٰ بھی فی نفسیہ صحیح ہوتا ہے اور دلیل بھی مناظر قدرت اور قانون فطرت سے ایسی پیش کی جاتی ہے کہ سننے والا بے اختیار پھڑک اُٹھتا ہے اور دیر تک مزے لیتا رہتا ہے۔ کلیم کے کلام میں یہ بات نظر نہیں آتی۔ اس صنف خاص میں کوئی بھی غنی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر کچھ کچھ تتبع ہو سکا ہے تو مرزا صائب سے اور یہ غنی کی صحبت کا نتیجہ ہے۔ کلیم کے تین شعر جو اُس کے دیوان بھر میں مثالیہ کے بہترین شعر ہیں ملاحظہ ہوں۔

باستمگاران گیتی بدنمی گردد سپہر

عید قربا نسبت دائم خانۂ قصاب را

یعنی: دنیا کے ظالموں کے ساتھ تقدیر بھی بُرا نہیں کرتی۔ قصائی کے گھر میں ہر دن عید قربان ہوتی ہے۔

گریہ ہنگام جفائے روزگار از ابلہیست

عجز و زاری کے اثر در خاطر جلاد داشت

یعنی: زمانے کے ظلم کے سامنے رونا دھونا حماقت اور ناسمجھی ہے۔ کیونکہ جلاد کے سامنے رونا دھونا کیا اثر رکھتا ہے۔

زبان بستہ باشکِ رواں گذاشت سخن
چو طفل بستہ زباں گریہ ام بیان من ست

یعنی: رواں آنسوؤں نے میری زبان بند کردی اور بات رہ گئی۔ اس بے زبان بچے کے مانند میرا بیانِ حال ہی میرا رونا ہے۔

صائب کا مثالیہ بھی ملاحظہ ہو ؎

نسا زد روئے گردان کثرتِ لشکر دلیران را
نیستاں مانع از جولان جرأت نیست شیرا نرا

یعنی: فوج کی کثرت تعداد سے دلیر واپس نہیں ہوتے ہے۔ جس طرح کچھار شیروں کو جرأت کے ساتھ دوڑنے میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

مگس را بے تردد عنکبوت آرد بدام خود
ید طولے الست در تحصیل روزی گوشہ گیرا نرا

یعنی: مکھی کو مکڑی کسی پریشانی کے بغیر ہی اپنے جال میں پھنسا لیتی ہے، کونے میں بیٹھنے والوں کو رزق حاصل کرنے میں کمال حاصل ہے۔

روزیٔ روشن دلانرا چشم زخمے لازم است

نیست بے خون شفق یک روزنانِ آفتاب

یعنی: روشن دل والوں کی قسمت کو نظر بد پکڑ ہی لیتی ہے۔ خون آلودہ شفق تو آفتاب والے دن کے ساتھ لگی رہتی ہے۔

نیست ناقص را کمالے بہتر از اظہار عجز
دستگیر ناشنا در دست بالا کردن است

یعنی: نالائق کا کمال اپنی عاجزی ظاہر کرنے کے سوا کچھ نہیں (جیسے کہ) تیراکی نہ جاننے والے کو تب ہی کوئی ہاتھ بڑھا کر بچا سکتا ہے جب وہ اپنا ہاتھ بلند کریں (یعنی نالائق اپنی نالائقی اور عاجزی ظاہر کرے تو ہی کوئی اس کی مدد کرتا ہے اور اس کا کام بن جاتا ہے)

غفلت ارباب دولت را سبب درکار نیست
در بہاراں خوابہا مستغنی از افسانہ است

یعنی: دولت والوں کا غافل رہنے کے لئے کوئی سبب ضروری نہیں کیونکہ بہاروں میں سونے کے لئے داستان گوئی کی ضرورت نہیں پڑتی۔

گفتگو با جاہلاں بے ادب از عقل نیست
ہر کہ می گردد طرف با کو دکاں دیوانہ است

یعنی: بے ادب جاہلوں کے ساتھ باتیں کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ جو بھی بچوں کے ساتھ بچگانہ حرکتیں کرے وہ دیوانہ ہیں۔

جواں را صحبت پیراں حصار عافیت باشد
بخال و خوں نشیند تیر چوں و در از گماں گردد

یعنی: جوان کے لئے بوڑھوں کی ہمنشینی عافیت کی دیوار ہے۔ تیر جب کمان سے نکل کر دُور جاتا ہے تو لوگوں کو زخمی کرتا ہے۔

زفیض عشق دلہائے مخالف مہرباں گردد
ز آتش رشتہ ہائے شمع باہم یک زباں گردد

یعنی: محبت کی فیض سے مخالف دل بھی مہربان ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ لو سے شمع کے دھاگے ایک ہو جاتے ہیں۔

نیست ممکن بفسوں بدگہراں نیک شوند
کہ گرہ از دُم عقرب نتواں وا کردن

یعنی: ممکن نہیں کہ جھاڑ پھونک سے بدذات لوگ نیک بن جائیں گے۔ جیسے کہ بچھو کی دم کی گرہ تو کبھی کھل نہیں سکتی ہے۔

نیست مفلس را ز قرب اغنیا جز پیچ و تاب
رشتہ از گوہر ندارد بہرہ جز لاغر شدم

یعنی: غریب آدمی کو دولت مندوں کی صحبت سے پریشانی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ جیسے دھاگے کو موتیوں کی وجہ سے کمزور ہونے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

میرزا جلال اسیر کو اگرچہ مثالیہ گوئی میں کوئی شہرت و امتیاز حاصل

نہیں تاہم اُس کا بھی ایک شعر ملاحظہ ہو۔

عشق اگر سوزد در آتش حسن او را باک نیست
شعلہ را پروائے جاں افشانیٔ خاشاک نیست

یعنی: عشق اگر آگ میں جل جائے تو حسن کو کوئی پروانہیں (جیسے کہ) چنگاری کو کوڑے کرکٹ کے جلنے کی کوئی پروانہیں ہوتی۔

صائب و کلیم کے مذکورہ بالا اشعار جو مثالیہ کی بہترین مثال ہیں تلاش اور جستجو کے بعد انتخاب کئے گئے ہیں۔ اب غنی کے دیوان سے چند شعر نقل کرتا ہوں۔ اہل نظر یقیناً اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان منتخب اشعار سے ہر ایک شاعر کی مثالیہ نگاری کا جو مرتبہ اور نسبت قائم ہوتی ہے۔ وہی نسبت ان کے دواوین کے بالاستیعاب مطالعہ سے قائم کرنی پڑتی ہے۔

در مکرر بستنِ مضمونِ رنگیں لطف نیست
کم دہد رنگ ار کسے بندو حنائے بستہ را

یعنی: ایک ہی مضمون کو (اگرچہ وہ رنگین ہی کیوں نہ ہو) دوبار باندھنے میں مزہ نہیں جیسے کہ ایک بار لگائی ہوئی مہندی دوبارہ لگانے پر رنگ نہیں دیتی۔

نصیبے نیست اہل کرم برگشتہ بختاں را
کہ ہرگز پُر نساز و کاسۂ گرداب را دریا

یعنی: قسمت خراب لوگوں کو سخی لوگوں کے پاس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا جس طرح کہ

گرداب کے پیالے کو دریا کبھی پُر نہیں کرتا ہے۔

مفلس نہ برد بہرہ ز پہلوئے تونگر
کے تیر پر خویش دہد زاغِ کمال را

یعنی: غریب / مفلس کو دولت مند کی صحبت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا جیسے کہ کمان جس کے پاس پر نہیں ہوتا۔ جیسے تیر جو اسکے قریب ہوتا ہے اپنا پر نہیں دیتا۔

ہر کہ پابند وطن شد مے کشد آزاد ہا
پائے گل اندر چمن دائم پرست از خار ہا

یعنی: جو بھی وطن میں پھنسا رہا تکلیفیں اٹھاتا ہے جیسے کہ چمن میں پھول کے نیچے ہمیشہ کانٹے رہتے ہیں۔

نیفتد کارسازاں را بکس درکار خود حاجت
بخاریدن بنا شد احتیاجے پشت ناخن را

یعنی: کارساز لوگوں کو اپنے کاموں میں کسی دوسرے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ناخون کے پشت کو کھجلانے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

غنی از دولت دنیا نگرد و عیبِ کس زائل
کہ زر نتواند از روئے محک بردن سیاہی را

یعنی: غنی دنیا کی دولت سے کسی کے عیب دور نہیں ہوتے ہیں۔ کیونکہ سونے سے تو کسوٹی کی سیاہی بھی کبھی دور نہیں ہوتی۔

بے نیازی از سخن ہرگز نباشد گوش را
سیر چشمی حاصل از نعمت نشد سر پوش را

یعنی: کان باتوں سے کبھی بے نیاز نہیں رہے۔ سرپوش کو بھی نعمت سے سیری حاصل نہیں۔

ہر کس کہ داد تن بہ بلا ایمن از بلا ست
ویراں کجا ز موج شود خانۂ حباب

یعنی: جس نے بھی مصائب سے سمجھوتہ کیا وہ مصائب سے محفوظ رہا جیسے کہ پانی کی لہر سے بلبلا تباہ نہیں ہوتا۔

بحث کج در طبع شاعر می خلد نے دخل را ست
طاقت خار است ماہی را و تاب شست نیست

یعنی: کج بحثی شاعر کی طبیعت کو مکدر کرتی اور اس کے شعر میں کچھ داخل کرنا اُس کو ناگوار گذرتا ہے جیسے کہ مچھلی اپنے اندر کے کانٹے تو برداشت کرتی ہے لیکن ماہی گیر کے جال کے کانٹے اسے پسند نہیں۔

فیض سخنْ بہ مرد سخن گو نمی رسد
از نافہ بوئے مشک بہ آہو نمی رسد

یعنی: شاعری کا فائدہ شاعر تک نہیں پہنچتا جیسے کہ آہو تک اسکے نافہ کی خوشبو نہیں پہنچتی۔

رفیق اہل غفلت ہر کہ شد افسردہ مے ماند

چو پائے خفتہ پائے دیگر از رفتار می ماند

یعنی: جو بھی غافل لوگوں کا ساتھی بنا وہ کام سے گیا۔ جیسے کہ اگر ایک پاؤں چلنے سے رُکتا ہے تو دوسرا پاؤں بھی چلنے سے رُک جاتا ہے۔

دنیا بزرگ باشد در دیدۂ غلط بیں

اندک بچشم احوال بسیاری نماید

یعنی: کوتا نگاہ والوں کی نظر کو دنیا کوئی بڑی چیز معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ٹیڑھی آنکھ والے کو تھوڑی سی چیز زیادہ دکھائی دیتی ہے۔

عاشق بفنا سیر ز معشوق نگردد

ماہی طلب آب کند گرچہ غذا شد

یعنی: عاشق فنا ہو کر بھی معشوق سے سیر نہیں ہوتا۔ مچھلی پانی میں رہ کر بھی اور پانی چاہتی ہے۔

سزد گر زاہد خشک است رہبر بے تمیزاں را

کہ نا بینا عصا را رہنمائے خویش می سازد

یعنی: روا ہے اگر خشک زاہد تمیز سے عاری لوگوں کا راہنما ہو کیونکہ اندھا بھی (خشک) لکڑی/ڈنڈے کو اپنا راہنما بناتا ہے۔

از تنزل پست فطرت را نباشد ہیچ باک

بیم افتادن نباشد ہر کہ باشد نے سوار

یعنی: پست فطرت والے کو گرنے سے بھی کوئی پریشانی نہیں ہوتی جیسے کہ جو گھوڑے پر

سوار ہی نہ ہوا سے گرنے کا کیا غم ہوگا۔

سوزِ عشق مازحرف سرد ناصح کم نشد
گرمیِ آتش نمے گیرد ز سرما برطرف

یعنی: میرے عشق کی آگ نصیحت کرنے والے کو ٹھنڈی نصیحتوں سے کم نہ ہوئی۔ سردیوں میں آگ کی گرمی بھی تو کبھی کم نہیں ہوتی ہے۔

خاکساراں مدد از عالم بالا یابند
گرد رامی کند از روئے زمیں باراں پاک

یعنی: خاکسار لوگ عالم روحانیت سے مدد پاتے ہیں۔ جیسے بارش کا پانی روئے زمین کو گردوغبار سے پاک کرتا ہے۔

نیست شہرت طلب آنکس کہ کمالے دارد
ہرگز انگشت نما بدر نباشد چو ہلال

یعنی: جسے کمال حاصل ہو وہ شہرت کا طالب نہیں ہوتا۔ چاند تو کبھی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرتا جیسے کہ ہلال کرتا ہے۔

پائے من یک لحظہ جاور گوشۂ داماں نکرد
گشت عمرم در سفر چوں رشتۂ سوزن تمام

یعنی: میرے پاؤں کبھی داماں میں نہیں رہے۔ میری عمر سوئی کے دھاگے کے مانند سفر میں ختم ہوئی۔

خاکساران از بلائے آسمانی ایمن اند
ماہی زیر زمیں را کس نمے آزد بدام

یعنی: خاکسار لوگ آسمان کی بلاؤں سے محفوظ ہیں جیسے زمین کے نیچے پڑی مچھلی کسی جال میں پھنستی نہیں۔

ز شعر من شدہ پوشیدہ فضل و دانش من
چو میوۂ کہ بماند بزیر برگِ نہاں

یعنی: میرے اشعار سے میری فضیلت اور دانشمندی چھپی رہی جیسے کہ میوہ پتوں کے نیچے چھپا رہتا ہے۔

(یہ شعر بھی اس دعوے کی دلیل ہے کہ غنی کا مرتبہ علم و فضل میں بہت ہی بلند تھا)

حرص گر غالب شود خلوت گزینی مشکل است
تشنہ چوں گردو زباں ازکام می آید بروں

یعنی: اگر ہوس زر غالب آئے تو خلوت میں بیٹھنا مشکل ہے۔ جب زباں پیاس محسوس کرتی ہے تو تالو سے باہر آتی ہے۔

نبود بلند و پستی در شعر موشگافاں
یکدست باشد آرے انگشتہائے شانہ

یعنی: نکتہ چینوں کے اشعار میں بلندی پستی کچھ بھی نہیں ہوتی۔ جی ہاں جیسے کنگے کے

دنداں ایک جیسے ہوتے ہیں۔

شرف ذات بتقلید نگردد حاصل
گاؤ خر را نکند خوردن گندم آدم

یعنی: ذاتی شرف اندھی تقلید سے حاصل نہیں ہوتی۔ گائے اور گدھے کو گندم کھانا انسان نہیں بناتا۔

گر محبت درمیاں آمد تکلف گو مباش
شیر مادر در حلاوت بے نیاز از شکر است

یعنی: اگر محبت درمیاں میں آئے تو تکلف کو رخصت کرو جیسے ماں کا دودھ مٹھاس کے لئے شکر سے بے نیاز ہے۔

بود در اضطراب از اہل عالم ہر کہ کامل شد
طپیدن درمیان جملہ اعضا قسمت دل شد

یعنی: دنیا کے لوگوں میں جو کامل ہوا وہ اضطراب میں رہا۔ جیسے کہ جسم کے اعضا میں سے دھڑکنا دل کے حصے میں آیا ہے۔

زینہار ایمن مباش اے غافل از خشم حلیم
چوں زمیں در جنبش آید خانہ ہا ویراں شوند

یعنی: اے غافل شخص نرم طبیعت والے کے غصے سے بے پروا نہ رہ۔ زمین جب حرکت میں آتی ہے تو گھروں کے گھر ویران ہوتے ہیں۔

بر تواضع ہائے دشمن تکیہ کر دل ابہلست

پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را

یعنی: دشمن کی التفات اور نرم خوئی پر بھروسہ کرنا بے وقوفی ہے جیسے کہ موج کے چھونے سے دیوار اپنی بنیاد سے ہی گر جاتی ہے۔

سنگیں دل است ہر کہ بظاہر ملایم است

پنہاں درون پنبہ نگر پنبہ دانہ را

یعنی: جو شخص ظاہر میں نرم دکھتا ہے اندر سے وہ سنگ دل ہوتا ہے۔ روئی کے اندر چھپے ہوئے اُس کے بیج کو دیکھو کہ کیسا سخت ہوتا ہے۔

بنود گل تواضع دشمن بجز گزند

پابوس تیشہ افگند از پا نہال را

یعنی: دشمن کے نرمی کا نتیجہ نقصان کے سوا کچھ نہیں۔ تیشہ کا پاؤں چومنا پودوں کو جڑ سے کاٹ ڈالتا ہے۔

نتواں بروز دشمن بتواضع جان را

قامت خم نہ رہاند ز اجل پیراں را

یعنی: نرمی اختیار کر کے دشمن سے اپنی جان بچا کر لے جانا ممکن نہیں۔ بوڑھوں کی ٹیڑی کمران کو موت سے بچا نہیں پاتی ہے۔

غنی کی قادر الکلامی اور بندش محاورات ہر گز ایرانیوں سے کم نہیں۔

صائب اس بات کے لئے خصوصیت اور عام شہرت رکھتا ہے کہ اُس نے غنی کی سینکڑوں غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں۔ صائب کی کسی غزل پر غنی نے غزل نہیں لکھی۔ لہٰذا غنی اور صائب کے موجودہ دیوانوں میں جو ہمطرح غزلیں موجود ہیں ان میں غنی کی غزلیں پہلے لکھی ہوئی اور صائب کی بعد میں لکھی ہوئی ہیں۔ صائب غنی کی وفات کے بعد بھی کئی برس تک زندہ رہا۔ صائب ایرانی تھا۔ دربار ایران کا ملک الشعراء تھا۔ ظاہر ہے کہ اپنے خیالوں میں غنی سے بہتر ہی لکھتا ہوگا کیونکہ کسی شاعر کی غزل دیکھ کر اُس پر غزل لکھنے کے یہ معنی ہیں کہ اُس سے اپنی غزل بڑھ جائے ورنہ اساتذہ ہمیشہ اپنی غزل کو جو کسی کی پہلی لکھی ہوئی غزل سے اپنے نزدیک بلند مرتبہ نہ ہو چاک کردیا کرتے اور کسی کو نہیں سُناتے اور یہی وجہ ہے کہ زیادہ مشہور اور مسلم الثبوت اساتذہ کی غزلیں بہت ہی کم طرح کی جاتی ہیں۔ پس صائب کی اُن غزلوں کا جو غنی کی غزلوں کی ہمطرح ہیں مضمون اور زبان وغیرہ کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہونا ضروری تھا مگر تعجب ہے کہ صائب کسی زمین میں بھی غنی سے بڑھ نہیں سکا۔ ہاں بعض غزلوں میں غنی کی ہمسری ضرور کرسکا ہے مثلاً صائب ؎

ندارد با تعلق سود دست افشاندن از دنیا

کہ آزادی رفتار یست مرغ رشتہ برپارا

یعنی: بندشوں کے ہوتے ہوئے دنیا سے ہاتھ جھاڑنا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ جس

پرندے کے پاؤں میں دھاگا بندھا ہو وہ آزادی سے اُڑ نہیں سکتا ہے۔

قناعت کن بنان خشک تا بے آرزو گردی
کہ خواہشہائے الوان است نعمتہائے الوان را

یعنی: سوکھی روٹی پر قناعت کرتا کہ تمہاری خواہشیں ختم ہو کیونکہ قسم قسم کی نعمتوں سے خواہشات بھی طرح طرح کی پیدا ہوتی ہے۔ (یوں آدمی پریشان رہتا ہے۔)

زروسیم جہاں در پردہ دارد عمر کاہی را
بقدر فلس زیر پوست باشد خارِ ہای را

یعنی: دنیا کے سونے چاندی کے پس پردہ زندگی کی جان گھسلانے والی مشقتیں ہے (یعنی سونا چاندی حاصل کرنے میں آدمی سخت تکلیف کا شکار ہوتا ہے)

غنیؔ ۔

ندارد رہ بگردوں روح تا با شد نفس در تن
رسائی نیست در پرواز مرغ رشتہ برپا را

یعنی: روح کو عالم بالا تک رسائی نہیں جب تک جسم میں کثافت نفس ہو۔ جیسے اس پرندے کے مانند جس کے پاؤں میں ڈوری بندھی ہو اور وہ اُڑنے پر قادر نہیں۔

بچشم آب در نگے نیست خوان پادشاہان را
کہ دارد کاسۂ درویش نعمتہائے الواں را

یعنی: میری آنکھوں میں پادشاہوں کے دسترخوان کی کوئی وقعت نہیں۔ نعمتیں تو درویشوں کے کشکول کے اندر ہوتی ہیں۔

گل آمیزش منعم مداں جز داغ محرومی
نسازد آب دریا سبز ہرگز خار ماہی را

یعنی: دولت مند کے پھول پھینکنے سے محرومی کے داغ کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ دریا کا پانی تو کسی حال میں مچھلی کے کانٹوں کو سیر نہیں کرتا (یعنی مچھلی کا کانٹا پھول نہ بن سکا)

غنی اور مرزا جلال اسیر کا مقابلہ صرف ایک ہی ہم مضمون شعر سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

اسیر ؎

بسکہ سودائے تماشائے تو پنہاں در سر است
ہر سر موئے مرا پرد از مژگان در سر است

یعنی: یہ کہ تمہارے دیدار کی خواہش سر میں سمائی ہوئی ہے۔ میرا ہر سر مو پلکیں بنی ہوئی ہے۔

غنی ؎

موئے سر کردم سفید اما خیالت در سر است
اخگر پنہاں تہ ایں تودہ خاکستر است

یعنی: سر کے بال میں نے سفید کر دیئے لیکن تمہارا خیال پھر بھی سر میں سمایا ہوا ہے۔

جیسے کہ دہکتا ہوا انگارہ اس راکھ کے ڈھیر کے اندر چھپا موجود ہے۔

ابو طالب کلیم کے دو شعر ہیں جن میں گرفتار اور کار قافیے بندھے ہیں۔

شیشۂ ہیچ دل از می من خود نشکست
من بایں دلشکناں ازچہ گرفتار شدم

یعنی: میری وجہ سے تو کسی کے دل کا شیشہ نہ ٹوٹا تھا تو میں کس وجہ سے ان دل توڑنے والوں کی محبت میں گرفتار ہوا۔

رفتم از ہوش مکن مستم ازیں بیش کلیم
چشم بردار ازاں چشم کہ از کار شدم

یعنی: میں تو ہوش سے گذر چکا ہوں۔ کلیم مجھے اس سے زیادہ مدہوش نہ کر۔

گرفتار کا قافیہ غنی کا لاجواب ہے۔ فرماتے ہیں۔

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

یعنی: اس نوجوان حسن نے مجھے خط سبز سے قید کیا۔ جال زمیں کا ہمرنگ تھا اسلئے گرفتار ہوا۔

دوسرا قافیہ نظیری کا بینظیر ہے کہ۔

بوے یار من ازیں سست وفامی آمد
گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

یعنی: میرے یار کی خوشبو اس کمزور وفا والے سے آرہی ہے۔ یہ پھول میرے ہاتھ سے لے لو کہ میں تو کام سے گذر چکا۔

سوداؔ نے بھی اس از کار شدم والے مضمون کا ترجمہ کرنے میں کمال کیا ہے۔

کیفیت چشم اُس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

کلیم نے گرداب کا قافیہ کیسے پیچیدہ اور چکردار مضمون میں باندھا ہے۔

شب کہ ساغر میزدی با آنکہ نتواں حرف زد
کشتیِ مے بسکہ می پیچیدہ در گرداب بود

یعنی: رات تم اسکے ساتھ جام لنڈارہے تھے کہ بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ شراب کی کشتی چکر کھاتی ہوئی گردان میں تھی۔

غنی اسی قافیہ کو باندھتے ہیں۔

در ہوائے آب تیغش بسکہ دل بیتاب بود
بخیہ بر زخم تو گوئی موج درگرداب بود

یعنی: اسکے تلوار کی کاٹ کی خواہش میں دل کیا ہی بیتاب تھا۔ تمہارے زخم کے ٹانکے گویا گرداب کی لہر تھی۔

مجھ کو یہ تحقیق نہیں ہوسکا کہ مے پرتگال سے اول ایرانی واقف

ہوئے یا ہندوستانی۔ بہر حال اکبر و جہانگیر کے زمانے سے فرنگی ہندوستان میں آنے لگے تھے ممکن ہے کہ اُنہیں کے ذریعہ شراب پرتگالی یہاں پہنچی ہو۔ غنی کے زمانہ میں یقیناً عام طور پر یہ لفظ مستعمل تھا۔ غنی کس حسن وخوبی کے ساتھ فرماتے ہیں۔

ساقی بجام ریز مئے پُرتگال را

ماہ تمام ساز بیک شب ہلال را

یعنی: ساقی نارنگی شراب پیالے میں ڈال اور ایک ہی رات میں ہلال کو کامل چاند کردے۔

اس شعر میں سر سے پاؤں تک حافظ پن موجود ہے۔ غنی کے یہاں اس قسم کے مضمون بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ اس جگہ اُردو کا ایک شعر سنائے بدون نہیں رہ سکتا جس میں گال اور پُرتگال کے قافیے ہیں۔ گال یورپ کی ایک مشہور قوم ہے۔

آنکھیں ہیں یا کہ ساقنین ہیں قوم گال کی

یا دو پیالیاں ہیں مئے پرتگال کی

غنی کی زبان اس قدر پختہ، صاف اور شستہ ہے کہ اُن کے کلام سے کسی جگہ بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ایرانی نہیں ہیں۔ جس شخص نے کبھی اپنے شہر سے باہر قدم نہ رکھا ہو، شاہی درباروں کی آستاں بوسی بھی نہ کی ہو،

اُس کی زبان کا ایسا اچھا ہونا دلیل اس بات کی ہے کہ بچپن ہی سے غنی نے نہایت شریف و ذی علم صحبت میں پرورش پائی تھی۔ یا اُس زمانہ کا کشمیر ہی ایران بنا ہوا تھا یا اس تھوڑی سی عمر میں غنی کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ غنی کا ہر شعر اُن کی زبان کی خوبی کا اظہار کر رہا ہے۔ تاہم چند شعر بطور نمونہ نقل کرتا ہوں جن میں ایسے محاورے موجود ہیں جن کو ایک اہل زبان تو بے ساختگی کے ساتھ استعمال کرتا ہے لیکن ہندوستانی استعمال کرتے ہوئے ہچکچاتا اور اظہار مدعا کے لئے کوئی دوسرا پیرایہ اختیار کرتا ہے۔

خبر آمدن لشکر خار مست بدشت
خیمۂ آبلہ گر دست دہد برپا کن

یعنی: کانٹوں کے لشکر کے آنے کی خبر آئی ہے اگر تمہیں آبلوں کے خیمے میسر آئے انھیں ایستادہ کر۔

دہد از شعلۂ آواز قلقل بزم مئے روشن
سرت گردم مکن خاموش ساقی شمع مینا را

یعنی: صراحی کی آواز کے شعلہ سے مئے نوشی کی مجلس روشن ہے۔ ساقی میں تم پر قربان جاؤں صراحی کے شمع کو نہ بجھا (یعنی مئے نوشی کی بزم نہ لپیٹ)

برہم از سرگرمئی ماخور و بزم مے کشاں
آتشے گشتیم و افتادیم در میخانہا

یعنی: اپنی تمام مشغولیتوں کو ترک کر کے میں شراب نوشوں / میکشوں کی مجلس میں جل کر میخانوں میں پڑا رہا۔

کس وقت نزع برسرم از بیکسی نبود
شرمندہ ام ز عمر کہ آمد بسر مرا

یعنی: مرنے کے وقت بے کسی کی وجہ سے کوئی میرے سرہانے نہ تھا۔ پھر میں اپنی ختم ہوتی عمر سے شرمندہ ہوں کہ اسے میں نے یوں ہی گنوادیا۔

برسر غیرت چو دید آں ابروئے خونریز را
کرد ماہ تو سپر از بیم تیغِ تیز را

یعنی: جب اس نے غیرت سے ان خونیز ابروؤں کو دیکھا تو ماہ نو نے اپنی تیز شمشیر کو خوف سے ڈھال میں تبدیل کر دیا۔

بمیل سرمہ ماند پیش آں مہ شمع کافوری
بیا پروانہ روشن ساز امشب چشم غیرت را

یعنی: سرمہ کی خواہش سے شمع کافوری اس چاند جیسے چہرے والے کے سامنے رہا۔ اب سے پروانے آ اور آج کی رات غیرت کی آنکھیں دونوں کے حسن کے مشاہدہ سے روشن کر۔

کسی شخص کے اخلاق اور طرز زندگی کا بہت کچھ اندازہ اُس کے کلام سے بھی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا میں غنی کو دیوان سے بھی اُن کے اخلاق اور حالات

معلوم کرنے کا کام لینا چاہتا ہوں۔

کشمیر میں کچھ ایسے شاعر بھی ضرور موجود تھے جو غنی کی روز افزوں قبولیت کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ غنی سے بڑھنے اور غنی کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس قسم کے کم مایہ حاسدوں کا ہر ایک باکمال کو مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ایسے حسد پیشہ لوگوں کو اور زیادہ جلانے کے لئے صاحب کمال کو کبھی کبھی تعلّی کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ کبھی حریف کی نالائقی کا بھی اظہار کرنا پڑتا ہے۔

بستہ شد ہر چند دریک بحر معنی ہائے تر
معنی مردم حباب و معنی رمن گوہر است

یعنی: اگرچہ خوبصورت معنی ایک ہی بحر میں باندھ دئے گئے ہیں۔ لوگوں کے معنی بلبلا یعنی بے قیمت اور میرا تخیل موتی (جیسا قیمتی) ہے۔

از بسکہ شعر گفتن شد متبذل دریں عہد
لب بستن ہست اکنوں مضمون تازہ بستن

یعنی: اس وجہ سے کہ اس زمانے میں شعر گوئی بیہودگی بن گئی ہے۔ اب تو ہونٹ سی لینا (خاموشی اختیار کرنا) ہی تازہ مضمون باندھنا ہے۔

شد روشنم از شمع کہ در بزم حریفاں
خاموش شدن مرگ بود اہل زباں را

یعنی: یہ مجھ پر شمع کو دیکھ کر ظاہر ہوا کہ ہم پیشہ کار لوگوں کو بزم میں خاموش رہنا اہل زبان کے لئے موت کے برابر ہے۔

ہنر چو نیست چہ حاجت بلند پروازی
کہ کار شیر ز شیر علم نمی آید

یعنی: جن ہنر نہیں ہے تو اونچا اُڑنے کی کیا ضرورت ہے کہ شیر کا کام تو جھنڈے پر نقش شیر کی تصویر سے تو نہیں ہوسکتا ہے۔

مدعی گر لاف جوہر زو ندارد اعتبار
ہمچو شمشیرے کہ میسازند از چوب چنار

یعنی: ڈھنگیں مارنے والا اگر اصلیت کا دعویٰ کرے اس کا اعتبار نہیں۔ اس شمشیر کے مانند جو چنار کی لکڑی سے بنائی گئی ہو۔

لاف موزدنی زند مانند سرو
ہر کہ خواند صفحہ از بوستاں

یعنی: وہ طبع موزون اور شاعر ہونے کا دعویٰ کرے گا جس نے بوستاں (سعدی) کا ایک صفحہ ہی پڑا ہوگا۔

نمی شود سخن پست فطرتاں مشہور
بلند نیست صدا کاسۂ سفالی را

یعنی: پست فطرت لوگوں کی سخنوری مشہور نہیں ہوگی جیسے کہ مٹی کے پیالے کی آواز

اونچی نہیں ہوتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ چور شاعر کچھ ہمارے ہی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ان بے غیرت چور شاعروں کی بڑی پُرانی قوم ہے۔ ان کے بزرگ غنی کے زمانہ میں بھی موجود تھے اور یہی چوری کا پیشہ کرتے تھے۔ غالباً وہ بھی آج کل کے چوروں کی طرح مشاعروں میں خوب اکڑ اکڑ کر اُبھر اُبھر کر شعر پڑھتے خوش ہو ہو کر داد لیتے ہوں گے اور جن کے شعر یا مصرعے یا مضامین چُرائے جاتے ہوں گے وہ بے چارے حیرت کے ساتھ منہ تکتے ہوں گے۔ غنی فرماتے ہیں ؎

بہ بزم نکتہ سنجاں سرخروئی از سخن دارم
پرور نگم اگر دزدی برد مضمون رنگینم

یعنی: نکتہ رسوں کی محفل میں میں اپنی سخنوری سے ہی صاحب عزت ہوں۔ اب اگر کوئی میرا رنگین مضمون چرالے گا میرا تو رنگ ہی اُڑ جائے گا۔

ز مضمون دزدئ یاراں نمی باشد غمی مارا
چناں بستیم مضموں را کہ نتواند کسے بردن

یعنی: مجھے غم نہیں کہ یار لوگ میرا مضمون اُڑا کر چُرا لیں گے۔ میں نے ایسا مضمون باندھا ہے جسے کوئی بھی نہیں چُرا سکتا ہے۔

گر سخن از خود نداری بہ کہ بر بندی زباں

تا بکے چوں خامہ رانی حرف مردم بر زباں

یعنی: اگر تمہاری اپنی شاعری موزوں نہیں ہے تو زبان کو بند رکھ۔ کہاں تک قلم کی طرح دوسرے لوگوں کا کلام اپنی زبان سے ادا کروگے۔

رہد کے در حصار خط زدزدان معنی روشن

کجا دزدِ کلف محفوظ دارد خرمن مہ را

یعنی: اچھے تخیلات، تحریر کے حصار کے اندر رہنے سے معنی چرانے والوں سے کیسے نجات پا سکتے ہیں، چاند جیسا خوبصورت چہرہ والا تیل جیسے داغ دار چہرہ والے کالے چور سے کیسے چھپا رہ سکتا ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ غنی صرف نام کے غنی نہیں تھے بلکہ اُن کا دل بھی غنی تھا۔ بے نیازی وغیوری اُن کی امتیازی اور خصوصی صفت تھی۔ اس کے ثبوت میں اُن کا دیوان ایک زبردست شہادت ہے۔ صرف چند شعر بطور نمونہ نقل کرتا ہوں۔

بدستِ خود چناں بستم حنائے بے نیازی را

کہ ہمچوں پنجہ مرجان دُر از دریا نمی گیرد

یعنی: میں نے اپنے ہاتھوں میں بے نیازی کی مہندی اس طرح لگائی جس طرح کہ پنجۂ مرجان دریا سے موتی نہیں لیتا۔

کس پئے تعظیم ما از اہل مجلس برنخاست

بہر پاس عزت آخر خود ز جا برخاستم

یعنی: اہل مجلس میں سے کوئی بھی میری تعظیم میں کھڑا نہ ہوا۔ اس لئے اپنی عزت نفس کے لئے آخر میں ہی مجلس سے اُٹھ کر چلا آیا۔

ممنونِ دستِ کوتہِ خویشم کہ پیش کس
بیروں نہ کرد سر ز گریبانِ آستیں

یعنی: میں اپنے کوتہ ہاتھ کا احسان مند ہوں کہ وہ کسی کے سامنے آستین سے نکل کر دراز نہیں ہوا۔

چشم مدد زکس بنود چوں صدف مرا
فیضے مگر ز عالم بالا رسد بمن

یعنی: سیپی کی طرح مجھے کسی سے مدد کی امید نہ تھی مگر عالم بالا سے فیض مجھ تک آ پہنچا۔ جس طرح آسمان سے قطرہ گر کر سیپی کے منہ میں گر کر موتی بن جاتا ہے۔

غنی ز صدر نشینی گذشتم و شادم
کہ ہر کجا کہ روم ہست جائے من خالی

یعنی: غنی میں صدر مجلس میں بیٹھنے کی خواہش سے گذر گیا اس لئے خوش ہوں کہ میں جہاں بھی جاتا ہوں (پائیں میں نیچے میرے لئے جگہ خالی ہوتی ہے۔

در معرکہ صد زخم رسد گر بہ تن ما
زاں بہ کہ بود داغ سپر بر بدن ما

یعنی: جنگ میں اگر میرے جسم پر سوزخم بھی آئے وہ اس سے بہتر ہے کہ میرے بدن پر سپر کا نشان ہو (یعنی سپر کا استعمال کروں جو بہادری کے برعکس ہے)

تا سرکہ پیشانی دوناں نچشیدیم
دندان طمع کند نشد در دہن ما

یعنی: جب تک مجھے کمینوں کی ترش روئی سے واسطہ نہ پڑا میرے منہ کے اندر طمع کے دانتوں کی تیزی ختم نہ ہوئی۔

غنی اگرچہ فقیر است ہمتے دارد
فشاندہ است بکونین دست خالی را

یعنی: غنی اگرچہ فقیر ہے مگر ایسی ہمت رکھتا ہے کہ اس نے دونوں جہاں سے خالی ہاتھ جھاڑ لئے ہیں۔

از فقر ہیچکس نبود آشنائے ما
ننشست غیر گرد کسے در سرئے ما

یعنی: فقر کی وجہ سے کوئی میرا آشنا نہ بنا۔ میرے گھر میں خاک کے بغیر کوئی نہ بیٹھا۔

شکل بود گرفتن چیزے نہ تنگ چشم
نگرفتہ است بخیہ ز سوزن قبائے ما

یعنی: بہت مشکل تھا کسی بخیل کی کوئی چیز لینا۔ اسی لئے میری قبا نے مرمت کے لئے سوئی کے ٹانکے بھی قبول نہ کئے۔

در علم فقر ہر کہ شد اُستاد چوں غنی
برداشت نسخہ از ورق بوریائے ما

یعنی: فقر کے علم میں جو بھی غنی کی طرح اُستاد ہوا۔ اس نے میری پیروی اختیار کی (میری خاکساری کی نقل کی)

خیال نازکم را نیست تابِ ناخن دخلے
غنی ہرگز نباشد طاقت نشتر رگِ گُل را

یعنی: میرے نازک خیالی کو اعتراض کے ناخن کی برداشت نہیں ہے۔ غنی پھول کی رگ نشتر کا چاک برداشت کرنے کی طاقت ہرگز نہیں رکھتی۔

اشک از غم افزونی روزی نفشانیم
ایں سیل مبادا بہ برد سد رمق را

یعنی: رزق کی زیادتی کے لئے میں اپنے آنسوں نہں بہاؤں گا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ موج میری زندگی ہی ختم کردے۔

غنی چرا صلۂ شعر از کسے گیرد
ہمیں بس است کہ شعرش گرفت عالم

یعنی: غنی اپنی شاعری کے صلہ کسی سے کیوں لے یہی بہت ہے کہ اسکے اشعار نے سارے دنیا کو فتح کیا یعنی اپنا گرویدہ بنالیا۔

خانۂ ما زیرِ منت نقاش نیست

نیست نقش پیش ما خوش ترز نقشِ بوریا

یعنی: میرا گھر (آرائش کے لئے) کسی نقاش کا احسان مند نہیں ہے۔ زمین پر چٹائی سے بنے نشانات میرے لئے بہترین نقش ونگار ہیں۔

از خود آرائی غنی در بند زینت نیستم

می پرد چوں رنگ و ازدست من رنگِ حنا

یعنی: غنی میری خود آرائی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں سجھنے سنورنے اور زینت کے شوق میں گرفتار ہوں۔ میرے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ تو مہندی لگاتے ہی پھیکا پڑ جاتا ہے اس لئے پھر سے لگانی پڑتی ہے۔

غنیؔ ایک اعلیٰ درجہ کے ذی علم اور صاحب باطن صوفی یعنی روحانی شخص تھے۔ شعر گوئی سے اُن کا مقصد علم تصوف کے مسائل بیان کرنا اور اُس کی باریکیوں کو کھول کر بیان کرنا نہ تھا۔ تاہم جس قسم کے خیالات انسان کے قلب پر زیادہ محیط رہتے ہیں اُن کا اظہار شاعری میں بلا ارادہ بھی کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فلسفہ وتصوف اور اخلاقی مضامین سے اُن کا دیوان لبریز ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

دل باستدلال بستم ماندم از مقصود دوا

نرد باں کردم تصور راہ ناہموار را

یعنی: دلائل وتاویلات میں دل اُلجھ کر رہا اور میں اصل مقصد سے دور ہوا کیونکہ میں نے

تو ٹیڑھی ترچھی راہ کو سیڑھی سمجھ لیا تھا۔

دفع شد وسواس خاطر از نماز باحضور

ما بدست بستہ وا کردیم قفل بستہ را

یعنی: میرے ذہن کے وسواوس نماز باحضور (توجہ سے پڑھی جانے والی نماز) سے دور ہوئے۔ میں نے (نماز میں) اپنے ہاتھ باندھ کر بندھ تالے کھول دیئے۔

خوش آں سالک کہ گیرد پیش راہ بے نشانے را

رود بر آب تا نبود ازو نقش قدم پیدا

یعنی: وہ راہرو کیا خوب ہے جس نے ایسا راستہ اختیار کیا جس میں کوئی نشان راہ نہیں۔ (راہ سلوک) پانی کی سطح پر چلنا ہے تا کہ اُس کے قدموں کے نشان پیدا نہ ہو۔

غنی تا چند پُرسی دستگاہ اہل دنیا را

کہ باشد وسعتِ آں از حصار جام جم پیدا

یعنی: غنی تم اہل دنیا کی قدرت و پہنچ کے بارے میں کہاں تک پوچھو گے۔ اس کی پنہائی او وسعت سمجھنا جام جم سے ہی ممکن ہے۔

کجا اہل ریا را آگہی از درد دیں باشد

کہ خوانند از پئے فوتِ نماز ایں قوم یسٰیں را

یعنی: یہ ریاکار لوگ دین کا درد کیا جانے یہ تو فوت شدہ نماز کے لئے سورہ یٰسین پڑھتے ہے یعنی نماز جلدی جلدی گذر جائے نہ کہ دین اور اسلام کے قیام کے لئے۔

چوں غنی ہر کس کہ دم از خاکسارے میزند
می تواند کرد روشن او نفس آئینہ را

یعنی: جو کوئی بھی غنی کی طرح خاکساری اختیار کرے۔ وہ اپنے خاکسار نفس سے اپنے دل کا آئینہ روشن کر سکتا ہے۔ (جیسے خاکستر یعنی راکھ سے آئینہ صاف کیا جاتا ہے۔)

زبان نے باآواز بلند ایں حرف میگوید
کہ می سازد بیکدم چوب را صاحب نفس گویا

یعنی: بانسری کی زبان اونچی آواز میں یہ بات کہتی ہے کہ صاحب دل ایک پھونک سے لکڑی کو گویا کرتا ہے۔

رفت مانند شیشۂ ساعت
عمر من در نفس شماری ہا

یعنی: شیشہ گھڑی کی طرح میری عمر سانسیں گننے میں ہی گذر گئی۔

گردد آئینہ روشن از نفست
گر زنی دم ز خاکساری ہا

یعنی: تمہارے نفس سے ہی تمہارے دل کا آئینہ روشن ہو سکتا ہے۔ اگر تم خاکساری کی روش اختیار کر کے رہو۔

دل ہماں بہ کہ بآرام رساند خود را
چوں نفس تادم آخر نہ دواند خود را

یعنی: دل وہی اچھا ہے جو (توکل اور سکون کا روش اختیار کرے یوں) خود کو آرام پہنچائے بلکہ سانسوں کی طرح خود کو آخری دم تک نہ دوڑائے۔

بیا بلبل بہ بیں در پردۂ گل آفتابے را
چرا از سادگی محبوب خود کردی نقابے را

یعنی: آجاؤ بلبل اور پھول کے پردے میں آفتاب کو دیکھ تم نے کیوں اپنی سادگی کی وجہ سے اپنے آپ کو پردے کی محبت میں ہی اُلجھا کے رکھا ہے۔

نباشد طاعتے مقبول غیر از فکر او ما را
نیاید جز بمحراب گریباں سرفرو ما را

یعنی: مجھے ایسی عبادت نہیں کرنی جو خدا تعالیٰ کے تفکر اور خلوص سے خالی ہو۔ میرا سر تب تک نہیں جھکتا جب تک کہ میرا دل پوری طرح محبوب حقیقی خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو۔

جام بغیر کاسۂ زانوئے فکر نیست
باشد خیال تازہ شراب کہن مرا

یعنی: زانوئے تفکر کے سوا میرا جام اور کوئی نہیں اور تازہ خیال ہی میرے لئے پرانی شراب ہے۔

سر پیش فگندم ز گنہ داد نجاتم
صد طاعت ناکردہ بیک سجدہ ادا شد

یعنی: میں نے اپنا سر اپنے معبود کے آگے جھکا دیا تو گناہوں سے آزاد ہو گیا (یعنی

میرے گناہ بخش دیئے گئے)اور جو اطاعت مجھ سے نہ ہو سکی تھی یوں وہ بھی ایک سجدے سے ادا ہو گئی۔

غنیؔ کے اخلاق کا اندازہ ذیل کے اشعار سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے۔جن میں اخلاق فاضلہ کے مضامین بڑی قابلیت سے بیان ہوئے ہیں۔اس قسم کے اشعار دیوان میں بڑی کثرت سے موجود ہیں۔

سعی راہ بہر راحتِ ہمسائگاں کردن خوش است
بشنود گوش از برائے خواب چشم افسانہا

یعنی: اپنے ہمسایوں کی راحت کے لئے کوشش کرنا اچھا ہے۔کان بھی تو افسانے/ کہانیاں اس لئے سنتے ہیں تا کہ آنکھ سو سکے۔

اندیشہ گر ز تنگی گورت بود غنی
در زندگی ز خاک برآور خزانہ را

یعنی: غنی اگر تمہیں قبر کی تنگی کا غم ہے تو چاہئے کہ اپنی زندگی میں ہی مٹی سے خزانہ نکال ڈالو(یعنی زندگی میں نیک اعمال کرتے رہو)

نمی باشد مخالف قول و فعلِ راستاں باہم
کہ گفتار قلم باشد ز رفتار قلم پیدا

یعنی: سچے لوگوں کے کہنے اور کرنے میں کوئی تضاد نہیں ہوتا(یعنی کہے کچھ اور کرے کچھ اور)قلم کی گفتار قلم کی رفتار سے ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ قلم جس طرح چلتا ہے کاغذ پر

وہی رقم ہوتا ہے۔

خاطر غماز زیر بار کلفت بہتر است

سد راہ و عیب جوئی گشت زنگ آئینہ را

یعنی: چغل خور/عیب چین کا دل و دماغ پریشانی کے بھوج کے نیچے بہتر ہے۔ کسی کی راہیں روکنا، عیب ڈھونڈ کر گننا دل کے آئینہ کے لئے زنگ ثابت ہوتا ہے۔

زنہار چشم خود را بردست کس نہ دوزی

خالیست کیسہ از زر پیوستہ آستیں را

یعنی: اپنی آنکھیں ہر گز بھی کسی کے ہاتھ پر نہ رکھ (کسی کا دست نگر نہ بن) آستین کا بٹوہ ہمیشہ خالی رہتا ہے (آستین ہاتھ کے قریب ہوتی ہے گویا اُسے دیکھتی رہتی ہے)

ملایم میشود در گفتگو ہر کس کہ کامل شد

کہ دایم پنبہ باشد بردہن مینائے پُرمے را

یعنی: جو کمال کو پہنچا ہے وہ نرم گفتار ہوگا کیونکہ شراب سے پُر صراحی کے دہانے پر ہمیشہ روئی رہتی ہے۔

گر فلک کار ترا برہم زند از جا مرد

جامہ را خیاط ساز و قطع بہر دوختن

یعنی: اگر قسمت نے تمہارا کام خراب کیا ہے تم بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹ (پریشان ہو کر) درزی کپڑے کو لباس بنانے کے لئے پہلے کاٹتا ہے پھر اسے سی کر لباس بناتا ہے۔

از سختی زمانہ لب شکوہ وامکن
برسنگ اگرچو سایہ بیفتی صدامکن

یعنی: زمانے کی سختی سے پریشان ہوکر شکایت کے لئے منہ نہ کھول۔ اگر پتھر پر پڑے ہوئے سایہ کی طرح ہوجاؤ آواز اونچی نہ کرو۔

راز کس اے صاحب بنیش مکن زینہار فاش
صد زباں گر باشدت چوں مردمک خاموش باش

یعنی: اے صاحب عقل ونظر کسی کا راز ہرگز ظاہر نہ کرنا۔ اگر تمہاری سوزبانیں بھی ہو پھر بھی آنکھ کی پتلی کی طرح خاموش رہنا۔

کم ز حیوانات باشد پیش اربابِ تمیز
آدمی کز انفعالِ جرم سر درپیش نیست

یعنی: تمیز والوں کے نزدیک وہ شخص جانوروں سے بھی کم درجہ ہے جو اپنی غلطیوں پر ندامت سے شرمندہ نہ ہو۔

تا بود گفتگو سخنم ناتمام بود
نازم بخامُشی کہ سخن را تمام کرد

یعنی: جب تک گفتگو چلتی میری باتیں بھی ٹکم نہ ہوتیں۔ میں اپنی خاموشی پر ناز کرتا ہوں جس نے میری گفتگو کو اختتام تک پہنچایا۔ (یعنی بات کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی)

زیباست خوئے آتش اولاد بو لہب را

تو ابن بو ترابی باید کہ خاک باشی

یعنی: آگ کے ساتھ جو لگاؤ بولہب کی اولاد کو زیب دیتی ہے۔تم تو ابوتراب (امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰؓ) کے بیٹے (پیروکار) ہو تمہیں چاہئے کہ خاکساری اختیار کرو۔

در چشم اہل بنیش آخر سبک در آئی

گرچوں حباب خواہی بر روئے آب رفتن

یعنی: تم اہل نظر کے نزدیک جلد مقبول ہو جاؤ گے اگر تم پانی کے بلبلے کی طرح پانی کے اوپری سطح پر چلتے رہو گے۔

توکل پیشہ را روزی بدست خویش میباشد

مکد انگشت خود کودک چو نبود شیر پستان را

یعنی: جس شخص نے توکل اختیار کیا اس کا رزق اسکے ہاتھ میں ہے۔ جب ماں کے پستاں میں دودھ نہیں ہوتا تو بچہ اپنا انگوٹھا چوستا ہے۔

دانہ چیں از حرص گشتن دست از جاں شستن است

شد صدف را آخر از آب گہر پیمانہ پُر

یعنی: حرص سے روزی کے لئے جستجو کرنا اپنی جاں سے ہاتھ دھونا ہے۔(دیکھتے نہیں ہو) سیپی دریا میں رہ کر بھی حرص سے ابر سے قطرہ آب طلب کرتی ہے (جو موتی بنتا ہے) اور بالآخر صدف ہی اُس کی بربادی کا سبب بنتا ہے۔

شاعر کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ مضمون محتسب ،زاہد ،شیخ

وغیرہ کی مٹی پلید کرنا، شراب و مئے فروش کی تعریف اور جام مئے کی خواہش میں مست و سرشار رہنا ہے۔ غنی اپنی متانت و بردباری اور علم و زہد کو شاعری میں فراموش نہیں کرتے۔ ان مضامین کو اگر رسم زمانہ کے موافق باندھتے ہیں تو سوقیانہ اور رندانہ کلام کے ذریعہ شعر کو چٹ پٹا نہیں بناتے بلکہ مضمون کو ایسے انداز سے بیان کرتے اور وہ عالمانہ طریق استدال اختیار کرتے ہیں کہ شعر کی رنگینی و دلفریبی اُس سے بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے جو رندانہ طرز کلام سے پیدا ہوتی ہے۔

بہ بزم مے پرستاں محتسب خوش عزتے وارد
کہ چوں آید بمجلس شیشہ خالی میکند جا را

یعنی: شراب نوشوں کی مجلس میں محتسب کیا خوب عزت رکھتا ہے کہ جب وہ مجلس (مئے نوشی) میں آتا ہے تو صراحی جگہ خالی کرتی ہے (یعنی صراحی مجلس سے اٹھا کر چھپا دی جاتی ہے۔

بہ بزم مے پرستاں سرکشی برطاق نہ زاہد
کہ میریز ندمستاں بے محابا خون مینا را

یعنی: شراب نوشوں کی مجلس میں اے زاہد سرکشی کو اٹھا رکھ کہ مست لوگ تو بے دریغ وہاں شراب کے جام لنڈاتے ہیں۔

شیشہ ہارا محتسب از بسکہ بر دیوار زد

کرد مینا کار آخر خانہ خمار را

یعنی: پیالوں کو محتسب نے غصہ میں جب دیوار پر دے مارا تو اُس سے شراب فروش کے گھر کی دیواروں پر نقش و نگار بن گئے۔

بادہ نوشاں را غنی از آتش دوزخ چہ باک
شعلہ شاخ گل بود مرغان آتش خور را

یعنی: شراب نوشوں کو اے غنی جہنم کی آگ کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جو پرندے آگ کھاتے ہوان کے لئے تو آگ کا شعلہ پھولوں بھری شاخ کے برابر ہے۔

دایم از مستی غنی در رقص چوں دولاب باش
گر نباشد میتواں کرد آب در پیمانہ ہا

یعنی: غنی! مستی میں ہمیشہ ارہٹ کی طرح رقص میں وہ۔ اگر شراب نہ ہو تو چاہئے کہ پیمانوں میں پانی ہی ڈال دو۔

نتواں چو زاہد از رہ خشکی بکعبہ رفت
کشتی بہ بحر بادہ رواں می کنیم ما

یعنی: زاہد کی طرح خشک راستے سے کعبہ تک نہیں پہنچ سکتے اسلئے میں اپنی کشتی کو شراب نوشی کے سمندر میں رواں کرتا ہوں۔

ندارد در ہوائے گرم لطفے آتش صہبا
ہلال عید دانم گر رگ ابرے شود پیدا

یعنی: گرم ہوا میں شراب نوشی میں لطف نہیں اگر تھوڑے سے بادل ظاہر ہو تو اسے عید کے ہلال جیسا جانوں گا۔

زبزم مے بروائے محتسب کہ دستارت
چو پنبہ سرِ میناست بار خاطر ما

یعنی: شراب نوشی کی محفل سے اے محتسب چلا جا کیونکہ تمہاری دستار شراب کی صراحی کے اوپر بندش کے لئے لگے ہوئے روئی کے گولے کی طرح ہم پر بارِ گراں ہے۔

چہ باک از زاہدان خشک مے خوران سرکش را
کہ موج بوریا از مانمی انداز و آتش را

یعنی: سر پھرے شراب پینے والوں کو خشک زاہدوں سے کیا اندیشہ ہے۔ کہ بوریا کے نقش آگ کو جلنے سے نہیں روک سکتے ہیں (یعنی خشک زاہد کی اوقات ہی کیا ہے)

بچشم کم مبیں درنامۂ اعمال ما زاہد
کہ می بارد ازیں ابر سیہ باران حمہتا

یعنی: میرے نامہ اعمال کو اے زاہد حقارت سے نہ دیکھ کہ ان گناہوں سیہ کاریوں (پر ندامت) سے تو رحمت کی بارشیں برستی ہیں۔

در چشمۂ پیالہ حباب شراب نیست
مے را ہوائے بادۂ لعل تو جام کرد

یعنی: پیالے کے اندر شراب کا بلبلہ نہیں۔ شراب کو تیرے بلکہ پیالے نے تیرے لبوں

تک پہنچنے کی چاہت میں شراب کا جام بنا ڈالا۔

ایشیائی شاعری کی بنیاد ہی عاشقی پر رکھی گئی ہے۔ جوش عشق میں شاعر آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور تہذیب و متانت بالائے طاق رکھی رہ جاتی ہے۔ مگر غنی اس کوچہ میں بھی نہایت شریفانہ اور مہذبانہ داخل ہوتے ہیں۔

بزلف او رسیدہ در سیاہی
چرا بختم خجل از نارسائیست

یعنی: وہ یعنی میری قسمت سیاہی میں اس کے زلفوں کی ہمسر ہے تو پھر اے میری قسمت اپنی نارسائی سے شرمندہ کیوں ہے۔

بگردوں گررو و کارے نسازد
کہ آہِ بو الہوس تیر ہوائیست

یعنی: اگر اہل ہوس کی آہ آسماں تک بھی پہنچے پھر بھی کوئی کام نہ آسکے گی۔ اسلئے کہ اہل ہوس کی آہ ہوا میں چھوڑے ہوئے تیر جعلی ہے جو کسی نشان پر نہیں لگتا۔

مگر آں شاہِ خوباں کرد مصر حسن را غارت
کہ باشد برجبیں داغ غلامی ماہ کنعاں را

یعنی: اس حسینوں کے بادشاہ نے حسن کے مصر کو فتح کر دیا۔ جن کی غلامی کا داغ ماہ کنعاں (مراد حضرت یوسفؑ) کی پیشانی پر ہے۔

بہ بحر پُر خطرِ عشق چوں کشایم چشم
کہ چوں حباب نگاہے کند خرابِ مرا

یعنی: میں عشق کے پُر خطر سمندر کو کیسے دیکھ سکتا ہوں کہ ایک ہی نظر سے اس کی طرف دیکھنا حباب کی طرح مجھے خراب کر دیگا (جیسے حباب ایک ہی بار آنکھ کھولنے سے خراب ہوتا ہے)

دامن بمیاں برزدہ از پئے قتلم
اے شوخ مگرواں دگر از ناز ورق را

یعنی: تم تو میرے قتل کے لئے اب پورے تیار ہو لیکن اے شوخ اب ورق نہ پلٹنا۔ یعنی اس کام سے پیچھے نہ ہٹنا۔

عاشقاں روزے شہادت خسرو وقت خود اند
تیشہ بر سر افسر شاہی بود فرہاد را

یعنی: عاشق لوگ تو اپنی شہادت کے دن زمانے کے بادشاہ ہوتے ہیں جیسے فرہاد کے سر پر تیشہ کی ضرب شاہی تاج کے برابر تھا۔

تا رقم زد خامہ وصفِ قامتِ محبوبِ ما
جز الف حرفے ندارد کاغذِ مکتوب ما

یعنی جب قلم نے محبوب کے قد کی تعریف لکھ ڈالی تو الف کے بغیر میرے لکھے ہوئے کاغذ پر کچھ نہ تھا۔

تا بچشم آں تغافل پیشہ می شد آشنا
کاش بودی برگ نرگس کاغذِ مکتوبِ ما

یعنی: یوں اُس بے پروا کی آنکھیں مجھ سے آشنا ہوتی۔ کاش میرا لکھا ہوا کاغذ نرگس کی پتی ہوتا (محبوب نرگس کی پتی کو اپنی آنکھوں سے مشابہ دیکھ کر شاید آشنا ہوتا)

شب فراق تو اے آفتابِ عالمتاب
لبالب است چو گردوں ز داغ سینہ ما

یعنی: تیرے فراق کی رات اے چمکتے ہوئے آفتاب میرا سینہ داغوں سے بھرا ہوا ہے جیسے آسمان تاروں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔

غنی کے دیوان کی ایک اور خصوصیت قابل تذکرہ ہے۔ وہ یہ کہ ان کو آسیا سے کوئی خصوصی تعلق ہے۔ ان کے دیوان میں آسیا کا مضمون اس کثرت سے باندھا گیا ہے کہ دیوان کا کوئی صفحہ ایسا نہیں جس میں کئی کئی شعر آسیا کے متعلق نہ ہوں۔ صائبؔ کے یہاں بھی آسیا کے چند شعر موجود ہیں جو غنی کے تتبع میں لکھے گئے ہوں گے لیکن صائبؔ کیا تمام شعرائے ہند و ایران مل کر بھی غنی کی آسیا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اول صائب کے شعر سُنئے ۔

مگیر از دہن خلق حرف را زنہار
بہ آسیا چو شدی پاسدار نوبت را

یعنی:

آسیائے فلک از آب مروت خالیست

تا ولت چاک چو گندم نشود نان طلب

یعنی: تقدیر کی چکی مروت کے جذبہ سے خالی ہے جب تک تمہارا دل گندم کی مانند چاک نہ ہوگا تب تک اس رزق/ آسائش کی توقع نہ رکھ۔

رزق می آید بپائے خویش تا دنداں بجاست

آسیا را ہست در اندیشۂ ناں نیستم

یعنی: رزق پاؤں کے پاس خود آئے گا جب تک دانت اپنی جگہ پر ہیں۔ جب تک چکی موجود ہے مجھے رزق کے لئے کوئی پریشانی نہیں ہے۔

غنی کے تمام آسیا والے شعر تو اس مختصر میں نقل نہیں کر سکتا۔ چند شعر بطور نمونہ ملاحظہ ہوں ؎

خلق سرگرداں ہمہ از قحط آب و دانہ اند

ہر کہ را دیدیم غیراز آسیا در گردش است

یعنی: سب لوگ آب و دانہ کی نایابی کی وجہ سے پریشان ہیں جس کسی کو دیکھتا ہوں سوائے چکی کے وہ سب پریشانی کے عالم میں چکر کھا رہا ہے۔

نیست جز افسوس خوردن حاصل کشتِ جنوں

آسیا گردانی ما دست برہم سودن است

یعنی: دیوانگی کا حاصل افسوس کرنے کے سوا کچھ نہیں میری چکی گمانا (یعنی کام اور شغل) دونوں ہاتھ ملنا ہے (افسوس ہیں)

چوں آسیا مپرس ز آسایشم غنی
کز چشم من بگرد سفر خواب رفتہ است

یعنی: چکی کے ہوتے ہوئے مجھ سے میری آسائش کے بارے میں نہ پوچھ۔ سفر میں چکی کی وجہ سے اُٹھی گرد جو میری آنکھوں میں چلی گئی میرے آنکھوں کی نیند اُڑا گئی۔

روزیٔ ما میشود آخر نصیب دیگراں
طالع بر گشتہ ہمچوں آسیا داریم ما

یعنی: میرا رزق دوسروں کے قسمت میں ہوگا۔ کیونکہ میری قسمت چکی کی طرح خراب ہے کہ ہر وقت چکر کھاتی رہتی ہے۔

تا رزق خود رسد بدہانت چو آسیا
دائم خموش دار زبانِ سوال را

یعنی: جب تک کہ تیرا رزق تیرے منہ تک چکی کی طرح پہنچ جائے گا۔ اپنی زبان مانگنے سے ہمیشہ رو کے رکھ۔

تا بزیر سپہر جادارم
نالہ چوں آب آسیا دارم

یعنی: جب تک آسماں کے نیچے (یعنی اس دنیا میں) میری جگہ ہے۔ چکی کے پانی کی

طرح فریاد کرتا رہوں گا۔

زاں پیشتر کہ دانۂ خرمن جدا کنند
سوراخ مور شد دہن آسیائے ما

یعنی: اس سے پہلے کہ دانہ کو خرمن سے جدا کرے۔ میری چکی کا دہن چیونٹی کا سوراخ جیسا ہے۔

از روزگار روزی ماجر مشکست نیست
سنگ فلاخن است مگر آسیائے ما

یعنی: گردش فلک سے مجھے ہزیمت روز ٹوٹنے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ اس پتھر سنگ فلاخن کی طرح جس کی تقدیر میں بہر حال ٹوٹنا ہے۔ (سنگ فلاخن وہ پتھر جو پتھر پھینکنے کے آلہ میں رکھتے ہے)

موئے سفید ماست ہمہ گرد آسیا
شد قوت آسیائے فلک استخوانِ ما

یعنی: میرے بالوں کی سفیدی آرزوؤں کی چکی کی گرد کی وجہ سے ہے۔ آسمان کی چکی یعنی گردس کو بھی میرے استخوان سے طاقت حاصل ہے۔

تر ہمچو آسیا نشد از آبِ نان ما
از تشنگی ہست خشک زباں در دہان ما

یعنی: چکی کی طرح میری روٹی تر نہ ہوسکی۔ پیاس سے میری زبان میرے منہ کے اندر

ہوکر بھی خشک ہی ہے۔

بسان آسیا در نفع من نفع جہاں باشد
بخلقے میرسد روزی مرا اگر آب و ناں باشد

یعنی: چکی کی طرح میرے فائدے سے دنیا کو فائدہ ہے۔ لوگوں کو روزی حاصل ہوگی اگر مجھے آب اور نان بہم ہوگا (یہاں نان سے مراد چکی کا پتھر یا پاٹ ہے)

گدا چوں یافت روزی خویش او اند سلیمانے
برائے مورسنگ آسیا تختِ رواں باشد

یعنی: بھکاری کو اگر روزی حاصل ہوگی وہ خود کو سلیمان بادشاہ سمجھتا ہے۔ ایک چیونٹی کے لئے تو چکی کا پتھر/ پاٹ ہی تخت رواں (اُڑن کھٹولا) جیسا ہے۔

فلک گیرد زمن روزی و برمردم کند قسمت
میان آسیا از من کنارا ز دیگراں باشد

یعنی: آسمان (تقدیر جہاں) مجھ سے روزی حاصل کر کے ہی لوگوں میں تقسیم کرتا ہے۔ چکی کی طرح درمیاں کا چھید میرے لئے اور کنارا (جس سے دانہ پس کر آٹے کی صورت میں باہر گرتا ہے) اوروں کے لئے ہے۔

فتد چوں رخنہ درکار تو بکشاید درِ روزی
ز سنگ آسیا در گوشم ایں آواز می آید

یعنی: جب تمہارے کام میں رخنہ پیدا ہوگا تم پر رزق کا دروازہ کھل جائے گا۔ چکی کے

پتھر سے یہ آواز میرے کانوں تک آ رہی ہے۔

ز گردیدن رسد چوں آسیا در خانہ ام روزی
من از گردش چو مانم روزئ من در سفر باشد

یعنی: چکی کی طرح گردش کرنے سے ہی مجھے گھر میں رزق حاصل ہوتا ہے۔ جونہی میں گردش کرنے سے رُک جاؤں گا رزق سفر اختیار کرے گا یعنی رزق میرے گھر سے چلا جائے گا۔

کسے کز چرخ لطفے دید جورے در قفا دارد
چو آں خوشہ کہ سرسبزی ز آب آسیا دارد

یعنی: جس نے بھی قسمت کی گردش سے کوئی آسائش دیکھی جان لو کوئی ستم / سختی ساتھ ہی لگی ہوگی۔ اس بالی کی طرح جسکی شادابی چکی سے نکلے پانی سے ہے (کہ پھر اس خوشہ سے برآمد گندم کو اسی چکی میں پسنا ہے)

زبردست اضطراب و زیر دست آسودگی دارد
دو شاہد برکلام من دو سنگ آسیا باشد

یعنی: زبردست یعنی طاقتور کو پریشانی اور کمزور کو آسائش حاصل ہے۔ میری اس بات پر چکی کے دو پاٹ گواہ ہے (اوپر والا باٹ ہمیشہ گردش میں اور نیچے والا ساکن رہتا ہے)

بکامِ دل ندیدم جمع اسباب معیشت را
کہ آب و دانہ ام چوں آسیا از ہم جدا باشد

یعنی: میں نے دل کی خواہش کے موافق اپنی معیشت کے اسباب (آب ودانہ) کبھی جمع نہ دیکھے کہ چکی کی طرح میرے آب ودانہ ایک دوسرے سے جدا رہے۔

گراں جاں کے بقطع راہ تجرید آشنا گردد

کہ خواہد زاد راہ ارگرد خود چوں آسیا گردد

یعنی: آرام پسند (گراں جان) تجرید کے راستے پر چلنا کیا جانے یعنی ہلکا ہوکر چلنا کیا جانے۔ یعنی اسباب و وسائل کے بغیر زندگی گذارنا کیا جانے۔ جیسے چکی کے بھاری پتھر جنہیں گھومنے کے لئے زادِ راہ یعنی پانی چاہئے (جس کے بغیر وہ گردش نہیں کر سکتے)۔

غنی در ملک دنیا انقلابے آرزو دارم

کہ خاک از گردش گردوں غبار آسیا گردد

یعنی: غنی میری آرزو ہے کہ اس دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو اسی سے حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔ جیسے نیچے پڑی ہوئی مٹی چکی کی گردش سے غبار کی صورت میں بلند ہوتی ہے۔

دستگیر آنکہ طلب کرد رہی میش نہ رفت

آسیا گرد عصا گشت بافلاک رسید

یعنی: جس نے رہنما حاصل کیا/ جو راہنما تک پہنچا وہ بھیڑ کی راہ نہیں چلتا۔ چکی جب مضبوط لاٹھی کے گرد گرمتی ہے تو کمال (کے آسمان) تک پہنچتی ہے۔

مرا چوں آسیا خویش دستگاہی در تہید ستست

که روزی آورد در خانۂ من میہماں از خود

یعنی: میرا تو چکی کی طرح خالی ہاتھ سے ہی میرا کام نکلتا ہے کہ میرے گھر میں تو مہمان خود ہی روزی لے کر آتا ہے۔

ما بفقر و فاقہ خور سندیم ہمچوں آسیا
گر رسد روزی غبار خاطر ما میشود

یعنی: میں تو چکی کی طرح گربت اور تنگدستی میں ہی خوش ہوں۔ اگر مجھے دولت حاصل ہوگی وہ میری طبیعت کو بھاری کردے گی۔

تنگ چشماں چشم خود بر رزق مہماں می نہند
از طمع چوں آسیا سر برسر ناں می نہند

یعنی: چھوٹی نظر والے مہمان کے رزق پر نظر رکھتے ہیں (یعنی مہمان کتنا کھائے گا) جس طرح چکی لالچ سے آٹے پر ہی جھکی رہتی ہے۔

از چرخ بے مذلت حاجت روانگردد
تا آبرو نہ ریزی ایں آسیا نگردو

یعنی: تقدیر سے بے عزتی کے بغیر حاجت پوری نہیں ہوتی جب تک اپنی عزت نہ کھودو گے چکی جیسے نہ بن پاؤ گے۔

تربیت راچہ اثر گر بنود استعداد
آسیا صاف چو آئینہ نگردد ز غبار

یعنی: اگر آدمی میں استعداد ہی نہ ہو اچھی تربیت کیا اثر دکھائے گی۔ چکی تو کبھی گرد سے صاف ہو کر آئینہ کی طرح روشن نہیں ہوتی ہے۔

بسکہ ہمچوں آسیامی نالم از بیداد خویش
میکشم در گوش خود انگشت از فریاد خویش

یعنی: میں چونکہ چکی کی طرح خود پر کیئے ظلم سے آہ و فریاد کرتا ہوں۔ میں خود اپنی ہی دہائی سے تنگ آکر اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونستا ہوں۔

بود کلید در رزق پارسا مسواک
کجا ز دست دہد ہمچو آسیا مسواک

یعنی: پارسا کے رزق کے دروازے کی کنجی اسکا مسواک ہے۔ وہ کیسے اپنے ہاتھ سے مسواک چھوڑ دے گا چکی کی طرح (جیسے وہ اپنی لاٹھی یا میخ جس کے گرد وہ گھومتی ہے نہیں چھوڑتی)۔

فارغ نیم زہر زہ دای ہمچو آسیا
بیہودہ پائے خویش بدامن کشیدہ ام

یعنی: میں ابھی بیہودہ گوئی سے فارغ نہیں ہوا ہوں (یعنی ابھی وہ مقام حاصل نہیں کیا ہے) اسلئے مجبوراً اپنے پاؤں اپنے دامن کے اندر کھینچ لئے (یعنی تنہائی اختیار کی)۔

زمردم آنچہ گرفتیم زود پس دادیم
بنان خشک قناعت چو آسیا کردیم

یعنی: میں نے لوگوں سے جو کچھ لیا جلد واپس دیا۔ میں نے چکی کی چرح سوکھی روٹی پر قناعت کی۔

جستجو از بہر روزی باعثِ شرمندگیست
زیں خجالت آسیا انگشت دارد درد ہاں

یعنی: روزی کے لئے دوڑ دھوپ کرنا شرمندگی کا باعث ہے۔ اسی شرمندگی کی وجہ سے چکی نے اپنے منہ میں انگلی (یعنی چکی کی لاٹھی یا میخ) دے رکھی ہے۔

آخر ز دستگیر بجائے نمے رسی
چوں آسیا طواف بگرد عصا مکن

یعنی: اگر تم رہبر کی رہبری سے بھی کسی مقام تک نہیں پہنچتے تو خواہ مخواہ چکی کی طرح لاٹھی کے گرد چکر مت کاٹ۔

گر شوی قانع در رزق تو وا خواہد شدن
برشکم سنگے کہ بندی آسیا خواہد شدن

یعنی: اگر تم قناعت اختیار کرو گے تمہارے رزق کا دروازہ کھل جائے گا جو پتھر تم اپنے پیٹ پر باندھو گے وہ چکی بن جائے گی۔

چشم خود را تا بکے بر رزق مہماں مے نہی
از طمع چوں آسیاناں برسرِ ناں می نہی

یعنی: اپنی نظر کب تک مہماں کے رزق پر رکھو گے (یعنی مہماں کچھ لے کر آئے گا) چکی

کی طرح روٹی کے اوپر روٹی رکھو گے (یعنی لالچ کرو گے)۔

حاصل دل شکنی غیر تاسف نبود
آسیا بے سببے دست نساید برہم

یعنی: کسی کا دل توڑنے کا حاصل افسوس کے سوا کچھ نہیں۔ جس طرح چکی بے وجہ اپنے ہاتھ نہیں ملتی (چکی گھوم کر دانے توڑتی ہے)

بسکہ ہردم می نشیند برخش گرد سحاب
شد چراغ آسیا در چرخ گردوں آفتاب

یعنی: اس لئے کہ ہر وقت اسکے چہرے پر بادلوں کا سایہ رہتا ہے، اس لئے آسمان میں آفتاب چکی کا چراغ جیسا بن گیا (آفتاب کی روشنی ماند پڑ چکی ہے)۔

غنی کی قادر الکلامی و مضمون آفرینی کے تصورت سے انسان مرعوب ہو جاتا ہے کہ ایک آسیا کے گرد کس قدر کثیر التعداد اور دلچسپ مضامین کو جمع کر دیا ہے۔ غنی کے دیوان میں نئے اور عجیب مضامین کی اس قدر کثرت ہے کہ کسی دوسرے شاعر کے یہاں ایسے عجیب و دلچسپ مضامین نہیں مل سکتے۔ احباب کی ضیافت طبع کے لئے چند شعر نقل کرتا ہوں۔

شدہ چشم سگانِ کوئے جاناں چار از شوقس
بچشم کم نہ بینید اے رقیباں استخوانم را

یعنی: محبوب کے گلی کے کتوں کے ساتھ آنکھیں اسکی طلب میں مل گئیں۔ اے رقیبو

تمہیں اب میری ہڈیاں کم محسوس نہ ہوں (اپنے رقیبوں کو کتوں سے تشبیہ دینا)۔

چار چشم شدن کے معنی ہیں ملاقات ہونا۔ کمال اشتیاق و انتظار کا ہونا۔ اکثر کتوں کی دونوں آنکھوں کے اوپر دو نشان ہوتے ہیں ایسے کتے کو سگ چار چشم کہتے ہیں۔ چار چشم شدن کے اس مفہوم کو ذہن میں رکھ کر شعر کو پڑھو اور غور کرو کہ رقیبوں کو کس طرح مخاطب کیا ہے اور ان سے کیا کہا ہے۔

غنی ساغر بکف جمشید پیش میفروش آمد

کہ شاید در بہائے بادہ گیرد ملک و نیارا

یعنی: اے غنی شہنشاہ جمشید ہاتھ میں پیالہ لئے شراب فروش کے سامنے آیا کہ شاید وہ مئے فروش شراب کے بدلے مملکت اور بادشاہی قبول کرے۔

جام جمشید ایک مشہور پیالہ کا نام ہے جس کو جمشید نے بنایا تھا اور تمام دنیا کا حال اُس میں نظر آجاتا تھا۔ اس پیالہ کا خاتم سلیمانی کی طرح دنیا کی بڑی سے بڑی قیمتی چیزوں میں شمار تھا۔ جمشید دنیا کے بہت بڑے اور عظیم الشان پادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ غنی کہتے ہیں کہ جمشید اپنا وہی قیمتی پیالہ ہاتھ میں لئے ہوئے مئے فروش کی خدمت میں فقیروں کی شکل بنا کر حاضر ہوا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ ایک پیالہ شراب دے دو اور دنیا کی پادشاہت اُس کے عوض میں لے لو۔ یا یہ کہ یہ پیالہ جو ملک دنیا کی برابر قیمت رکھتا ہے مجھ سے لے لو اور اس کے عوض شراب پلا دو۔ لیکن جمشید کو خود ہی شک ہے کہ

مئے فروش اس سودے پر رضا مند نہ ہوگا کیونکہ شراب کے عوض ملک دنیا کی حقیقت ہی کیا ہے۔اسی لئے سائل کی صورت بنائی ہے کہ شاید مئے فروس کو رحم آجائے اور وہ جام شراب کے عوض ملک دنیا یعنی روئے زمین کی سلطنت جو بہت ہے کم قیمت قبول کرلے۔اب پھر ایک مرتبہ شعر کو پڑھو اور دیکھو کہ کتنا بڑا مضمون کس قدر تھوڑے لفظوں میں اور کس طرح کامل طور پر ادا کیا گیا ہے۔ساغر، مئے فروش، جمشید، بادہ وغیرہ الفاظ کی مناسبت کے علاوہ جب یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جمشید کو دنیا میں شراب کا موجد بتایا جاتا ہے تو شعر کا لطف اور بھی بڑھ جاتا ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تصوف کا شعر ہے اور ہر قسم کے مبالغہ سے پاک۔عبارت میں بیان کرنے سے وہ لطف جاتا رہے گا۔ارباب حال اس شعر کو پڑھیں اور وجد میں آئیں ؎

تا تو رفتی کس دگر نشست در پہلوئے ما

رنگ با ایں اختلاط آخر پرید از روئے ما

یعنی: جب تم چلے گئے کوئی دوسرا میرے پہلو میں نہ بیٹھا۔اس ملاپ نے تو آخر میرے چہرے کا رنگ ہی اُڑا لیا۔یعنی تیری ہم نشینی سے میرے اوسان خطا ہوئے۔

رنگ از رخ پریدن کو کس خوبی سے استعمال کیا اور کیسا عجیب مضمون نکالا ہے۔

خرق عادت کے بکار آید دل افسردہ را

گر رود بر آب نتواں معتقد شد مردہ را

یعنی: کرامات یا خلاف عادت خوارق میرے غمگین دل کے کام کب آسکتے ہیں۔ اگر مردہ پانی کی سطح پر بہتا ہے کوئی اس سے اسکا معتقد تو نہیں ہوتا۔ (صرف کرامات ہی کسی کو متاثر نہیں کرسکتی جب تک کی کرامات دکھانے والا حقیقی صاحب کمال نہ ہو)

میں ایک مرتبہ گنگا کے کنارے ناگل کے قریب جنگل میں شکار کھیلنے گیا۔ وہاں گنگا میں ایک مردہ بہتے ہوئے دیکھا جس کا پیٹ خوب پھول گیا تھا۔ وہ کثیف نظارہ آج تک یاد ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگوں نے دریاؤں میں مردے بہتے ہوئے دیکھے ہوں گے لیکن کسی کا بھی دماغ اس طرف منتقل نہ ہوا ہوگا کہ ایسا عجیب اور لطیف مضمون نکالے جو غنی نے نکالا ہے۔

دید تا سر گشتگی ہائے مرادر بحر عشق

آب میگردد ز خواہش در وہاں گرداب را

یعنی: عشق کے سمندر میں میری پریشان حالی کو دیکھ کر خواہش سے گرداب کے منہ میں بھی پانی آیا (یعنی گرداب کا تلاطم میری سرگشتگی کے سامنے کچھ نہیں)

کیسا لطیف مضمون ہے۔ گرداب کے منہ میں پانی بھر آنے کو کس خوبصورتی سے باندھا ہے۔

جاں بلب از ضعف نتواند رسد

من بزور ناتوانی زنده ام

یعنی: کمزوری سے تو جان نکلتی نہیں ہے، میں تو اپنی ناتوانی کے زور سے ہی زندہ ہوں۔

انوکھا اور دل فریب مضمون ہے۔

تا سرش از بوئے می شد گرم خمہارا شکست
ہیچکس در دور ما چوں محتسب بدمست نیست

یعنی: اسکا دماغ تو شراب کی بو سے گرم ہوا اور اس نے مٹکے توڑ ڈالے۔ میرے وقت میں تو محتسب جیسا کوئی دوسرا بدمست / مدہوش نہیں ہے۔

محتسب شراب کا دشمن ہوتا ہے۔ شراب کے مٹکوں کو توڑنا اس کا فرض منصبی ہے۔ لیکن غنی نے جو وجہ بیان کی ہے وہ بڑی عجیب اور نہایت دلچسپ ہونے کے ساتھ اپنے اندر ایک فلسفہ بھی رکھتی ہے۔

معذور بود زاہد اگر جام نگیرد
کز دانۂ تسبیح کفش آبلہ دار است

یعنی: اگر زاہد نے شراب کا پیالہ نہیں پکڑا وہ معذور ہے۔ کیونکہ تسبیح کے دانوں سے اسکے ہتھلیوں پر آبلے پڑے ہوئے ہیں۔

حاسد از کردۂ خود گشت پشیماں کہ بزور
بر زمیں زد سخنم راؤ بافلاک رسید

یعنی: حاسد اپنے کئے پر خود پشیمان ہوا کہ اس نے فریب سے تیرے کلام کو زمین پر

دے مارا لیکن وہ اس سے (شہرت کے) آسماں پر جا پہنچا۔

بافلاک رسیدن کے معنی ہیں عالی مرتبہ ہونا۔ بے حد مقبول خلایق ہونا۔

برزمیں زدن کے معنی ہیں کسی چیز کو حقارت کے ساتھ زمین پر ٹپک دینا۔ جب کوئی چیز زیادہ ناپسند ہوتی ہے اور اُس سے زیادہ نفرت ہوتی ہے تو زیادہ زور سے زمین پر مارتے یعنی دے مارتے ہیں۔ غنی فرماتے ہیں کہ حاسد نے بوجہ حسد کے میرے کلام کی زیادہ تحقیر کرنی چاہی اور زیادہ نفرت کا اظہار کیا کہ اُس کو زور سے زمین پر مارا۔ گیند جس قدر زیادہ زور سے زمین پر ماری جائیگی اُتنی ہی زیادہ بلند اوپر کو اُچھلے گی۔ اسی طرح میرا کلام بھی گتا کھا کر اوپر کو اُچھلا تو آسمان تک پہنچ گیا یعنی بہت ہی زیادہ بلند مرتبہ اور مقبول ہو گیا۔ اب حاسد پشیمان ہے کہ یہ کیا ہوا۔ اس نتیجہ کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو یہ کام نہ کرتا۔

تا کند دریوزۂ آتش بگلشن از چنار
کاسہ برکف ہست سرو از آشیانِ بلبلاں

یعنی: تا کہ وہ چنار سے آگ کی بھیک مانگے سرو نے اپنے ہاتھ میں بلبلوں کا گھونسلہ گداگری کے کٹورے کے طور پر لیا ہوا ہے۔

چنار کا درخت سرو کے درخت سے بہت زیادہ بلند ہوتا ہے۔ چنار

کے درخت کی نسبت مشہور خیال ہے کہ اُس سے آگ نکلتی ہے۔سرو کے درخت کو انسان کے قد سے تشبیہ دی جاتی ہے۔بلبل کے گھونسلے کی پیالہ سے مشابہت ظاہر ہے۔غنی فرماتے ہیں کہ سرو کے درخت پر جو بلبل کا آشیانہ ہے،وہ درحقیقت سرو کے ہاتھ میں بھیک کا پیالہ ہے۔جس میں وہ چنار سے آگ مانگ رہا ہے۔آگ مانگنے والا جب کسی بلند جگہ مثلاً کوٹھے پر بیٹھے ہوئے شخص سے پیالہ میں آگ لیتا ہے تو پیالہ کو اونچا کر دیتا ہے اور اُس کو جھکنے اور خمیدہ ہونے کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔پس تشبیہ نہایت کامل اور بڑی لطیف ہے۔بیچاری بلبلوں کے گھونسلے جلانے کے سامان ہیں۔

تا شود قبرش زیارتگاہ اربابِ ریا
خویش را زاہد بزیرِ گنبدِ دستارِ کُشت

یعنی: تا کہ اسکی قبر ریا کار لوگوں کی زیارت گاہ بن جائے۔زاہد نے خود کو(اس آرزو میں)دستار کی گنبد کے نیچے مار ڈالا۔(یعنی اس نے بھی دکھاوے کا زہد اختیار کیا)

گر چنیں از سنگ طفلاں رخنہ ہا افتد درو
آشیان بلبلِ مامی شود آخر قفس

یعنی:اگر یوں بچوں کے پتھروں سے اس میں شگاف پڑ جائیں گے۔میرے بلبل کا آشیاں آخر پنجرہ ہی بن جائے گا۔

نیست عینک کہ نہادیم ز پیری بر چشم

نگہ از شوقِ جمال تو زند سر بر سنگ

یعنی: عینک میسر نہیں ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے ہوئی کمزور آنکھوں پر لگاؤں۔ اس لئے تمہارے حسن کے دیدار کے شوق میں آنکھیں اپنا سر پتھروں پر دے مارتی ہے (عینک بھی سنگ بلور سے بنتا ہے)

لشکر ضعف بصر تاخت مگر بر سراد
کہ ز عینک بکف آورد سپر دیدہ من

یعنی: آنکھوں کی بینائی کی کمزوری حملہ آور ہوئی مگر اس کے آگے میری آنکھوں نے عینک کی سپر (عینک کو بطور سپر) کیا (یعنی ضعف بصر کا علاج عینک سے کیا)

اگر لب از سخن گوئی فرو بندیم جادارد
کہ نبود از نزاکت تاب بستن معنیٔ ما را

یعنی: اگر میں سخن گوئی سے اپنے ہونٹوں کو روک لوں تو جائز ہے۔ کیونکہ نازک مزاجی کی وجہ سے مجھ میں معنی باندھنے کی تاب نہیں یعنی مجھے معنی باندھنے کی مشقت بھی گوارا نہیں۔

میں غنی سے بے حد شرمندہ ہوں کہ اس بے سروسامانی اور عجلت میں جو کچھ ہوسکا ہے وہ اُن کے مرتبہ سے بہت کم ہے اور اس لئے خوش ہوں کہ جو کچھ میں نے کیا ہے اب تک کسی سے اتنا بھی نہیں ہوسکا تھا۔ اپنی ناقابلیت کو محسوس اور اپنی کم مائیگی کا اقرار کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ خدا تعالیٰ

حضرت فوقؔ کو توفیق عطا کرے کہ وہ کتابت کی غلطیوں سے اس مختصر کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں اور اُس میں کامیاب ہوں۔ والسلام مع الاکرام۔

احقر اکبر نجیب آبادی غفرلہ

ملا غنی کاشمیری کی قبر

کلیم، قدسی، فانی اور کئی شعراء کی قبریں سرینگر کے محلّہ درگجن میں واقع ہیں۔ یہ قبریں ایک بلند چبوترے پر ہیں۔ جو مزار الشعراء کہلاتا ہے۔ صرف دو چار قبروں کے آثار نظر آتے ہیں۔ باقی کوئی قبر سلامت نہیں ہے لیکن غنی کی قبر محلّہ راجویر کدل (واقعہ عالی کدل) احاطہ مزار حضرت حسین بلاردریؒ میں ہے۔ سنگ مزار (جیسا کہ منشی غلام احمد صاحب مہجور نے سرینگر سے لکھا ہے) موجود ہے۔ نام پڑھا جاتا ہے۔ باقی عبارت نہیں پڑی جاتی۔ لیکن غنی کا نام اس کی اولاد کے نہ ہونے اور قبر کے شکستہ ہونے کے باوجود بھی زندہ ہے۔ اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب عارف ایم۔ اے بھی (بزمانہ جج ہائی کورٹ جموں وکشمیر) کلیم وقدسی وغیرہ نامور شعرائے کشمیر کی قبروں کے دیکھنے کے بعد غنی کی قبر پر گئے تھے۔ جیسا کہ وہ خود آئینہ کشمیر میں کہتے ہیں ؎

کلیم و قدسی و فانی غنی کی بھی زیارت کی

شکستہ حال زین العابدین کا مقبرہ دیکھا

غنی کشمیری

جنت جیسے کشمیر میں بلبل کی طرح گیت گانے والا شاعر غنیؔ جب گھر میں ہوتا تو دروازہ بند رکھتا اور جب گھر سے نکلتا تو کھلا چھوڑ جاتا۔ کسی نے اُس سے کہا کہ اے دل میں اُترنے والے شاعر تمھاری یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی!

تب اُس فقیر نے جو معانی کی دنیا میں بہت امیر تھا، کتنا خوبصورت جواب دیا کہ دوستوں نے مجھے جو کچھ کرتے دیکھا ہے وہ درست ہے کیونکہ میں ہی اِس گھر کا خزانہ ہوں۔ جب تک غنیؔ اپنے گھر میں بیٹھا ہو وہاں قیمتی خزانہ ہوتا ہے مگر جب وہ شمعِ محفل گھر سے نکل جاتا ہے تو اِس سے بڑھ کر خالی گھر کوئی نہیں ہوتا۔

مکتبہ علم و ادب

ریڈ کراس روڈ، سرینگر کشمیر